رباعی از بیاض ص ۲۵۵

آزاده روان مثال بصحرا شده اند — همره طلبان یار بصحرا شده اند

ای سرو لب جوی سر از خاک برآر — زان پیش که آبها ز بالا شده اند

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را - گاہ گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

انکے مضبوط جہازوں کی موجودگی ہے اگر + میری ٹوٹی ہوئی کشتی کا سہارا اسلام !

خوب حق، الف ب احمدؐ گڑھ چھوڑا اکبر + منحصر ہے ان ہی دو لفظوں پہ سارا اسلام !

گو دعویٰ تقویٰ نہیں درگاہ خدا میں + بت جس سے ہوں خوش ایسا گنہگار نہیں ہوں

روہیلکھنڈ کے آخری ہیرو حافظ رحمت خاں نے اپنے تاریخی خط میں شجاع الدولہ کو لکھا تھا کہ

"اگر صلح داری کیساں بصلح ہیرنگ است بارک اللہ - وگر بستیز و جنگ است بسم اللہ"

جواں مرداں نتابند از کے روی + ہمیں میداں ہمیں چوگاں ہمیں گوی"

انہی کے مطلب کی کہ رہا ہوں + زبان میری ہے بات انکی + انہی کی محفل سنوارتا ہوں + چراغ میرا ہے رات انکی

سنے جو انکو اسے تردد + جو انکو دیکھے اسے تحیر + ہماری نیکی ادا انکی برکت عمل ہمارا نجات انکی

اکبر

نہ چیز ہے سکوں تو تلاطم ہی نہیں کچھ + ہم کچھ نہیں ہیں سچ ہے مگر تم بھی نہیں کچھ اکبر

خطاب سید لقمان علوی

کامیابی جاہ اور دولت سے ناکامی بھلی + لطف دشمن ہی سے شہرت ہو تو گمنامی بھلی

بیوفا سمجھیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو + دیر والے کج ادا کہدیں یہ بدنامی بھلی

اکبر: مجمعے میں لڑکی جب شیخ کی عزت بڑھ گئی + تو بیچارہ کمیٹی ہی میں جا کر کچھ اچھل آیا

پس کہ تھا نامۂ اعمال مرا انگریزی میں + کوئی پڑھ ہی نہ سکا مل گئی تقصیر مجھے

امید دام زلف کالی بھی ملے سے بہت ہے + فصاحت نذر لکھ دے جو رہایت نذر جوڑ رہا ہے

ہوس پرستوں کو کبھی کچھ کرنے دیں انقلابوں کی کیا سند ہے + اگر زمانہ بدل رہا ہے تو دل نے ہی کچھ بدل دیا ہے

عروج وغیرہ زوال غیر خدا کی قدرت کے ہیں کرشمے + ہمیشہ ردّ و بدل کے اندر یہ امر پولیٹیکل رہا ہے

نہیں رکھتا میں جو کسی ٹھن ترب بھی کسی رقیب کی + مجھے تو عشق تھا چھوڑ کر جانا نہ کیا گیا

ان حقائق کی بنا پر سبب پستیٔ قوم + حرکت پاپیدی دکھلائے اسلام نہیں مسلمین

آپ نے ہمکو سکھائے ہیں جو یورپ کے علوم + ان کی ضرورت سے نہیں قوم کو ہرگز انکار

بحث یہ ہے کہ وہ اس طرز سے بھی ممکن تھا + کہ نہ گھٹتا کبھی ہاں دین شریعت کا وقار

خبر بھی ہے تمہیں کیا بن رہی ہے میرے سر پر + میں آپ جس سے بڑھ کے تھا اسی سے اچھا

مستزاد میر:

دلّی میں بہت سخت کی اب کے گذران - دل کو کر تنگ + غیرت نہ رہی عاقبت کار نہ شان - کھینچی یہ ننگ

یاروں میں نہ تھا کوئی مروّت جو کرے - اجڑے تھے گھر + تا حدّ نظر جا کے پڑے تھے میدان - عرصہ تھا تنگ

اردو میں میر درد نے غزل میں تصوف کا رنگ بھرنا شروع کر دیا۔ جب کہ کہا گیا ہے:۔

پھوٹے گی اس نو بہار میں بھی گلزار معرفت + میں یاں زمینِ شعر میں یہ تخم بو گیا ۔

شوق قدوائی

روح کو کچھ ناز ہے اپنا وقار دیکھ کر + اس نے چڑھائی تیوریاں میرا قرار دیکھ کر

قصد گلہ نہ تھا مگر حشر میں جوش شوق سے + ہاتھ مرا نہ رک سکا دامنِ یار دیکھ کر

دیکھ کے ایک بار انہیں دل سے ہاتھ دھو چکے + دیکھئے کیا گزرتی ہے دوسری بار دیکھ کر

آتے ہیں وہ تو پہلے ہی رنج سے صاف ہو رہو + آ کے کہیں پلٹ نہ جائیں دل میں غبار دیکھ کر

وصل سے لذت اے خدا ہاں نہ کسی کو چاہیئے + صبح کو ہم اٹھا کریں روئی لگا ر دیکھ کر

کعبہ کو جا نہ شوق ابھی بیٹھ ذرا گلی بخیر + ہم بھی چلیں گے تیرے ساتھ آب کی بہار دیکھ کر

کسی بیوی کو شوہر کے آنے کی توقع تھی۔ تو اسی دن شوہر کا خط آتا ہے اور معذرت لکھی گئی ہے۔ کہ وجوہات کی مجبوری سے جلد آنا ممکن نہیں تھا۔ بیوی کے دل پر چوٹ لگی اس ترجمانی شوق یوں کرتا ہے:—

خط سے پڑی جگر پہ چوٹ داغ ہرے ہوئے ہیں کیا + تم نے ہزار ہا گلے دل میں بھرے ہوئے ہیں کیا

خط ہے تمہارے ہاتھ کا پڑھتی ہوں اس کو بار بار + کھولتی ہوں ہزار بار چومتی ہوں ہزار بار

جن سے لکھا گیا ہے خط کاش وہ انگلیاں ملیں + میرا خیال چوم لے جا کے وہیں جہاں ملیں

خود بھی گئے تم اور چین چھین کے مجھ سے لے گئے + مجھ کو شریک بنا گئے مجھ کو جنوں دے گئے

سب کے جگر میں خون ہے تیرے جگر میں درد ہے + سب کا شباب لال ہے میرا شباب زرد ہے

ایک تمہیں تھے میرا عیش تنگئ غم تو کیا کروں + پہلے تمہیں تھے میرا چین اب ہو ستم تو کیا کروں

تم نہ کرو ستم تو کیوں دل مرا بیقرار ہو + میں یہ نہیں چاہتی کہ تم میرے گناہگار ہو

کیا میں خدا کے سامنے تم کو سزا دلاؤں گی + اپنی وفا کا نام کیوں خاک میں کیوں ملاؤں گی

کار روائی اجلاسہائے سب کمیٹی چندہ انجمن نصرۃ الاسلام

"یاد داشت" انجمن نصرۃ الاسلام کے اجلاس منعقدہ ۸ دسمبر ۱۹۳۲ء میں جبکہ انتخاب سب کمیٹی ہائے انجمن اور عہدہ داران ہوا - ایک نئی سب کمیٹی منشی اسد اللہ صاحب کی ہمراہ تجویز اور اصرار پر "کمیٹی چندہ" کے نام سے قائم کیگئی - جسکے اراکان حسب ذیل بنائے گئے (۱) منشی اسد اللہ صاحب وکیل - (۲) حاجی غلام رسول صاحب قاضی (۳) جناب غلام محمد صاحب بندت - (۴) جناب غلام محمد صاحب ملک - (۵) جناب حبیب اللہ صاحب ہندو - (۶) جناب عبد اللہ جو صاحب لبو - (۷) ڈاکٹر عبد الواحد صاحب - (۸) جناب عبد العزیز صاحب منٹو - (۹) حاجی خضر محمد صاحب زرگر - (۱۰) جناب غلام محی الدین صاحب تاجر پشمینہ - (۱۱) کاتب الحروف (شہاب الدین درابو) اور نیاز مند ناظم تعلیمات کا سکرٹری مقرر کیا گیا —

ارشاد - ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۵۳ء - ۲۲ فروری ۱۹۳۵ء کو بوقت گیارہ بجے روز بر مکان منشی اسد اللہ صاحب وکیل کمیٹی چندہ انجمن نصرۃ الاسلام کی پہلی میٹنگ منعقد ہوئی - کمیٹی کے سب اراکان بجز دو اصحاب - یعنی حاجی غلام رسول صاحب قاضی اور جناب عبد العزیز صاحب منٹو کے جو کسی وجہ سے تشریف نہ لاسکے حاضر تھے اور اس اجلاس کے صدر جناب حبیب اللہ صاحب ہندو منتخب ہوئے —

میٹنگ کی کار روائی بسم اللہ کرکے ، کمیٹی ہذا کے وجود میں لانے جانے سے اسوقت تک کا ماجرا سنانے شروع کیگئی - اور نیاز مند نے بحیثیت سکرٹری ہونے کے جو کام شروع کیا اور جس طریقہ پر شروع کیا وہ اسطرح سنایا - کہ (الف) انجمن نصرۃ الاسلام کے اجلاس منعقدہ ۸ دسمبر ۳۲ء (جس میں سلسلہ انتخاب سب کمیٹی ہا و عہدہ داران یہ کمیٹی بھی قائم کیگئی تھی) کی اطلاع ۲۲ جنوری ۳۵ء کو میرے پاس آئی - (ب) ۲۸ جنوری ۳۵ء کو نیاز مند نے بذریعہ رقعہ جات کے تمام ممبر صاحبان کمیٹی سے انجمن کی آمدنی بڑھانے اور اسکی مالی حالت سدھارنے کیلئے تجاویز طلب کئے - یہ رقعہ جات دس تھے - اور صرف ایک کا جواب ڈاکٹر عبد الواحد صاحب سے آیا - یعنی جواب

جواب حاصل کرنے میں جیسا کہ یا دس فیصدی کے حساب سے کامیابی ہوئی — ڈاکٹر صاحب اس جواب میں انجمن کے
معمولی کم ذرائع آمدنی کے علاوہ ایک نئی تجویز پیش کرتے ہیں ۔ کہ نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ سے کسی مکمل اخبار کے
ذریعہ ایک اپیل شائع کر کے انکو تعلیمی کام میں انجمن کی امداد کی طرف توجہ دلائی جائے ——
دیگر ممبر صاحبان کی طرف سے اب چونکہ کوئی تجویز دست نہیں تھی پیشتر ازیں جو کچھ تجاویز مرتب ہو چکی تھیں پیش کی جاتی ہیں

(۱) "دھرمارتھ ٹرسٹ کی مد میں توسیع و تنظیم" — بیرونی ذرائع سے دریافت ہوا کہ انجمن کو اسوقت اس مد میں
زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار وصول ہوتا ہے — جس پر قریباً ستر فیصدی کے حساب سے خرچ
پڑتا ہے — میں اس معاملہ میں اس سے زیادہ وضاحت و تفصیل کیلئے تیار نہیں تھا ۔ کیونکہ کاغذات
متعلقہ دفتر سے باوجود مطالبات کے نہیں ملے — لہذا اسکے متعلقہ سوالات اور انکا جواب دیا جانا
کاغذات مطلوبہ ملنے پر ملتوی رکھا گیا ۔ بہر حال اس مد کو وسعت دینے اور منظم بنانے کی تجویز لیکر تبلیغی
توسیع کے کام کی طرح مدارس سے شروع کرنے کی صورت سے اتفاق کیا گیا ۔ چنانچہ اس خیال کے پیش نظر
جو کام منع اسوقت تک کیا تھا اور جو خط و کتابت واقع ہوا تھا میٹنگ میں پڑھکر سنایا گیا جسکی
کیفیت اسطرح پر ہے :— ۵ فروری ۳۵ء کو زیر ۱۲۷ سکریٹری صاحب تعلیم کو یہ چٹھی لکھی گئی ——
"کیا آپ مہربانی فرما کر دفتر ہذا کو ذیل کے استفسارات کا جواب آئندہ جمعہ یعنی ۵ فروری ۳۵ء ۔ ۱۰ اور ۵۲ تک
"منگا کر بھجوانے سے تشکر فرما سکتے ہیں؟ ۔ معاملہ ضروری ہے — از ہائی سکول — (۱)
"تعداد طلبا ۔ ممبر ایٹ ۔ ایبر برامری ۔ سکنڈری علیحدہ علیحدہ (۲) ان سکول میں کتنے ایسے طلبا ہیں"
"جنکے گھروں سے انجمن کی چندہ جیسی ماہوار وصول ہوتا ہے — یہ معاملہ نارم ماسٹروں کے ذریعہ لڑکوں سے"
"دریافت ہو سکتا ہے — (۳) ایسے چندہ دہندگان کے نام انجمن کو نمبر! ان پر ہے کی جو آخری رسید تحریر ہوئی انکا"
"نمبر شمار کے نام و رسید چندہ دینے کا — (۴) آمدنی اور ممتاز آمدنی اوزار ۔ بقیہ مشروح ۔"

"انہیں ۲۱-۱۹۲۰ء کے جواب حاصل کرنے میں ہائی سکول کھلنے کے بعد بھی کم و بیش دو تین دن لگ گئے ۔ مگر
"فی الحال آپ باقی دو مدات یعنی ۲۱-۱۹۲۰ء کا جواب دفتر ہائی سکول سے منگا سکتے ہیں" ۔
"از نشانہ مدارس :- (۱) تعداد طلباء بٹ خوار - جنہیں قرآنی الگ دکھائی دیگی"
"(۲) انہیں سے کتنے ایسے طلبا ہیں جنکے گھروں سے انجمن کو چندہ جنسی ماہوار وصول ہوتا ہے ۔ (۳)"
"ایسے چندہ دہندگان کے پاس انجمن کی تحصیلدار برانچ کی جو آخری رسید موجود ہو اسکا نمبر تاریخ"
"اور نام دہندہ چندہ دہندہ ۔ (۴) آمدنی شاخ مدارس فیس داخلہ جرمانہ وغیرہ بلقیہ شرح"
"ہائی سکول سے جو جوابات اس وقت مطلوب رہینگے وہ سکول کھلنے کے چوتھے روز دفتر میں بھیج"
"جانے کی ہدایت فرمائی جاوے ۔ کیونکہ معاملہ نہایت ضروری ہے ۔"

اسیطرح اسی تاریخ کو نمبر ۱۳ سکریٹری صاحب کمیٹی ہال کو لکھا گیا کہ :-
"دفتر ہذا کو چند اہم معاملات میں واقفیت حاصل کرکے ایک مالی سکیم مرتب کرنے کیلئے ذیل کے"
"استفسارات آپکے دفتر سے دریافت کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے ۔ جنکا جواب آپ سے"
"آئندہ جمعہ یعنی ۱۵ فروری ۱۹۳۵ء تک دفتر ہذا میں بھجوانے کی امید کیجاتی ہے"
"(۱) فہرست اُن قرضہ جات کی جو انجمن کو وصول کرنے ہیں ۔ (۲) فہرست اُن قرضہ جات کی"
"جو انجمن کو دینے ہیں ۔ (۳) محکمہ برانچ :- (الف) آمدنی وخرچ از ابتدائے اول جنوری ۱۹۳۲ء تا آخر دسمبر ۱۹۳۴ء"
"(ب) خرچ :- تنخواہ عملہ بلقیہ شرح ماہوار - کرایہ - سٹیشنری وغیرہ ۔ (ج) آمد و خرچ ماہ جنوری ۱۹۳۵ء"
"علیحدہ ۔ (۵) فہرست جنسی چندہ دہندگان محلہ وار ۔ ..... ۔ (۶) خانہ پری نقشہ"
"مشمولہ ۔ معاملہ اشد ضروری ہے ۔ کیونکہ اخراجات بجٹ اسی ماہ میں مرتب ہونے چاہئیں"
"اور بجاوی کمیٹی کسی طرح بھی انجمن کے کسی ایجنسی پر لڑائی جانے پر مجبور نہ ہوگی تاوقتیکہ ہم اپنا کام اندازہ"
سال آئندہ وغیرہ مرتب و مکمل نہ کیا ہو ۔ (نقشہ آمد و خرچ مدوار کا بری نمونہ لف ہے)

سکریٹری صاحب تعلیم کا جواب وقت پر ملتا رہا۔ مگر سکریٹری صاحب کمیٹی ہال سے کوئی جواب نہیں آیا۔ یہ سخت پر واضح رہے کہ
نہ صرف تعجب ہوا۔ بلکہ بسیار اظہار افسوس کیا گیا۔ نیاز مند نے سلسلۂ گفتگو اسطرح جاری رکھا۔ کہ اس خط و کتابت کے بعد
اول مدرسین مدارس سے اس بارہ میں تبادلۂ خیالات کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور سکریٹری صاحب متعلقہ کے ذریعہ ۱۸ فروری کے
زیر نمبر ۱۵ اول مدرسین صاحبان کو پنجشنبہ ۲۱ فروری ۵ بجے کو دفتر میں حاضر آنے کی ہدایت کی گئی۔ چنانچہ وقت مقررہ پر ان سے
تبادلۂ خیالات کیا گیا۔ اور انکو بھی اس الٰہی کام میں ہاتھ بٹانے کی ترغیب کی گئی۔ اور تحریک کے وسیع ہونے کے
علاوہ دوران مشورہ میں ان سے مدارس کی آمدنی حتی الوسع بڑھانے پر بھی بحث ہوئی۔ اور انکو ہدایت کی گئی کہ وہ مع اپنے سٹاف کے
کسی ایک جگہ پر مجتمع ہو کر اس بارہ میں اور نیز چندہ وصولی کے متعلق مشورت کر کے مجھے مطلع کریں کہ آیا وہ اور ان کے
سٹاف اپنے ذریعہ ان حلقوں میں کمیشن پر وصولی کا کام کرنے کیلئے تیار ہیں یا نہیں۔ اور بصورت اتفاق آمادہ ہونے کے
انکو بیس فیصدی کمیشن دیا جائیگا ---- اسیطرح میں نے ایک اور مد جسکا ذکر ذیل میں آتا ہے۔ یعنی تقسیم پیٹی ہا
درمیان دوکانداران کیلئے بھی انکو تحقیقات کرنے پر مامور کیا ۔ کہ وہ ان علاقوں میں کتنے ایسے دوکاندار ہیں کہ
جو انجمن کی پیٹیاں دوکانوں میں رکھکر روزانہ انکو بھرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اور جن پر ان مدرسین کو وثوق و
اعتماد ہو۔ اسکے متعلق انکو ہر دو ہفتہ کیلئے پوری فہمایش کی گئی۔ ان سے سکریٹری صاحب متعلقہ کے ذریعہ جو
استفسارات کئے گئے تھے۔ انمیں تعیین تعداد فیس دہندگان کے بارہ میں یہ بات رہ گئی تھی۔ کہ کتنے لڑکے
سالم اور کتنے نصف فیس دیتے ہیں اسکے متعلق تحقیقات کر کے مطلع کرنے کی ہدایت کی گئی۔ ان اساتذہ نے
اسیوقت دوسرے پنجشنبہ ۲۸ فروری کو مجلس اساتذہ کی میٹنگ بلانے کیلئے انتظام کر دیا ---- جس گرمجوشی سے
ان اساتذہ نے ان خیالات کا خیر مقدم کیا کر کے ہماری امداد کا وعدہ کیا وہ قابل تحسین ہے۔ اگر وہ اسیطرح
ثابت قدم رہے۔ تو امید میں کامیابی کی کچھ نہ کچھ جھلک ضرور نظر آتی ہے۔ خدا انکو ثابت قدم اور متفق الرائے رہنے کی توفیق
عنایت کرے ----

(۲) دوسری تجویز تقسیم بیٹی ہا درمیان دوکانداران — کی نسبتاً اوپر ذکر آگیا ہے۔ کہ اب تیرہ مدارس کو انکے علاقوں میں اسکے متعلق تحقیقات وغیرہ کرکے انکی رپورٹ کرنے کی ہدایت کیگئی۔ اسکے صلہ میں ان سے وعدہ کیا گیا۔ کہ جو بیٹی ہا اپنے ذریعہ تقسیم کرکے جلسہ لدنہ پر پیش کرانے میں کامیاب ہوں۔ فی بیٹی انکے لئے کچھ انعام نقدی کیصورت میں تجویز کیا جائیگا۔ علاوہ ازیں اس سلسلہ میں مبرقہ جماعت الشداد کی ضرورت ہے۔ یعنی انکے جیب اور سامعین وعظ دوکانداروں کو کسی روز ایک جگہ پر بلاکر انہیں اسکی تحریک کرکے فہرست مرتب کیجائے ان ہر دو کوششوں کو حتی المقدور کامیاب بنانے اور انہیں جوش پیدا کرنے کیلئے میں اور کچھ بھی سوچ رہا ہوں جو انتظامات مکمل ہونے پر کمیٹی میں عرض کردیا جائیگا —

(۳) تیسری تجویز — سلسلۂ "انسداد بردہ فروشی" شروع رجسٹر نکاحنامہ جات — یعنی مطبوعہ نکاحنامہ جات کا ایک رجسٹر کھولا جائے۔ اور نکاحنامہ جات قیمتاً فروخت ہوا کرینگے۔ اور انکو یہی انجمن رجسٹرڈ کرایا جاوے اسمیں ہر ایک عقد کیلئے تین نکاحنامے ہوں دو فریقین کیلئے اور تیسرا دفتر میں ریکارڈ کیلئے — حکومت سے استدعا کیجاوے۔ کہ وہ شہادت میں ان مطبوعہ رجسٹرڈ "نکاحنامہ جات" کے بغیر انکے تاریخ اجرا کے بعد کا ہر ایک نکاحنامہ ناقابل وثوق قرار دے — جس سے ایکطرف جعلی نکاحنامہ جات کا سلسلہ بند ہوسکتا ہے — اور دوسری طرف ان مواقع پر جہاں مسلمان مصارف میں سے قریباً اسی فیصدی ملاعب — سامان ملاعب اور غیر مشروع کاموں میں صرف کرتے "شنبۂ زرین" کے مفہوم کے زد میں آتے ہیں وہاں فرضی کاموں کیلئے بھی کچھ نہ کچھ وصول ہوا کریگا — "ہم خرما و ہم ثواب" اسیکو کہتے ہیں — اس تجویز کی اہمیت بھی تسلیم کیگئی۔ مگر حالات زمانہ اور دیگر گردو پیش کے ممکن الوقوع حوائج پر غور کرنے کے بعد اسکے متعلقہ بحث کو کسی آئندہ میٹنگ پر ملتوی رکھا گیا —

(۴) چوتھی تجویز — یہ تھی۔ کہ جسطرح ہمیں آمدنیوں کے بڑھانے کیطرف توجہ کرنی چاہئے اسیطرح ہمیں انجمن کے مصارف پر بھی ایک نظر ضرور رکھنی ہوگی — مصارف میں جسقدر تخفیف کی گنجائش نکل سکتی ہے — وہ بھی ایک مستقل آمدنی محسوب ہوگی —

اور بھی کئی تجاویز تھے — جو بباعث مسٹر لطیف کے کاغذات نہ ملنے کی وجہ سے بحث میں نہ لائی جا سکے۔ چنانچہ قرار پایا

کہ بباعث مسٹر لطیف کی فوری امداد اور دیگر کاغذات مطلوبہ بھیجنے کی طرف متعلقہ کی جائے۔ اور درصورت نہ ملنے کاغذات

انجمن اور قواعد انجمن کی طرف بامر لطیف رجوع کیا جاوے —

میٹنگ کی کارروائی ۱۲ بجے روز ختم ہو کر جلسہ برخاست ہوا —

[illegible] الحسن [illegible]

محمد [illegible] دراللہ [illegible]

سکرٹری

نقل از اخبار سہ روزہ "الانصاف" — الہ آباد — مورخہ ۵ جنوری ۱۹۵۱ء

"... ایک ضلعی اجتماع میں ایک تقریر"

(سید ظہیر الحسن)

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

محترم حضرات و محترم رفیقو! — ہمارے ان اجتماعات کا مقصد
جذباتی وقتی نہیں نہ قومی اغراض ہیں نہ دنیوی فوائد۔
ہم کو ان مسائل سے کوئی تعلق نہیں ہے جو کسی ایک قوم کو سربلند کرنے
اور دوسری قوم کی عزت و وقار کو گرانے کے لئے کھڑے کئے جاتے ہیں۔ نہ ہمارے
پیش نظر دنیوی معاملات میں کہ ہم کسی ... کا ذکر کسی کی حکم برداری کا
انتظام کریں۔ نہ ہم دنیا کو طبقاتی تقسیم کر کے ... میں سے ایک
طبقہ کی حمایت کریں اور دوسرے طبقوں کو مٹانے کی ... زور لگائیں
نہ ہم ایسے مذہب کی ... کرتے ہیں جو اپنے ماننے والوں کو محروم
روحانیت کا ... کر چھوڑ دے۔ اور ان کی دنیا کو ... کر دے
کر دے۔ کہ ظلم و شر کی جس وادی میں چاہیں انہیں بھٹکا دیں۔ ہماری
وقت دنیا میں جس طرز پر سوچا جا رہا ہے۔ جو کچھ کیا جا رہا ہے، اور جیسا کچھ
فی الواقع ہو رہا ہے۔ اور جن نظریات و افکار، جن اغراض و مقاصد اور جن
اصولوں کی بنا پر ہو رہا ہے، ہم ان سب کو انسانیت کے لئے قاتل اور
پیغام موت سمجھتے ہیں۔ ہم انسان کی آزادی و گرفتاری کے قائل نہیں
اس دنیا میں ہم کو کوئی چیز آزاد و خود مختار نظر نہیں آتی۔ ہم ہر طرف
ہم جس طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں ہم ہر چیز کو ایک نظم اور ضابطہ کا
قاعدہ میں بندھا ہوا دیکھتے ہیں۔ سیاروں کی گردش میں، چاند کی
میں، دریاؤں کی روانی میں، موسموں کی تبدیلیوں میں، ہر شے موت کی زد میں

بادلوں میں ہم کو انقیاد و اطاعت کا ایک قانون نظر آتا ہے۔ ایک نظم،
ایک قاعدہ، ایک ضابطہ نہیں نظر آتا تو انسانوں کی زندگی میں جہاں اس کی
شکل نہیں، یہاں یکجہتی نہیں، یہاں میل و اتفاق نہیں، یہاں جذب و کشش نہیں
یہاں انتشار و افتراق ہے، بدنظمی اور بدانتظامی ہے۔ انسان کا ذہن
ایک قسم دوسری قسم کی ضد بنتی ہے۔ کوئی ایک اصول اور قانون نہیں ہے اور
عالم میں اور انسانوں میں تصادم ہے۔ ... ... السافلین ہے؟۔ کیا یہ
نتیجہ نہیں ہے اس عالم کا ئنات کے بنانے والے کے قانون سے بغاوت کا جو
خود جنس انسانی کی شہادت پر اُس پر روزہ ادا کر رہا ہے؟
اشرف المخلوقات ہونے کی حیثیت سے چاہئے تو یہ تھا۔ کہ سب سے زیادہ
انسان اس شہادت کو ادا کرتا۔ مگر اس شہادت سے گریز کر کے جو یہ شرف
اس کو حاصل تھا۔ اسی کی پاداش میں وہ مستحق ٹھہرا۔ وہ اس کی اطاعت سے
منہ پھیرا۔ تو مخلوقات کی ہر شے نے ایک ساتھ چھوڑا۔ ایک حال یہ ہے کہ
کائنات کی جن طاقتوں کو مسخر کر کے وہ زندگی کا ثبوت دے رہا ہے وہی طاقتیں
اس کو الٹی موت کی آغوش میں لئے چلی جا رہی ہیں۔ ہمارا ... نقطۂ نظر
ہو کر ... کچھنے کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان مالک
کائنات اور ... عالم کے کلی قانون اسی ... کی اطاعت اختیار کرے
جو اللہ کا ئنات دی گئی ہے اپنے فرستادوں کے ذریعہ بھیجا ہے ہماری
... دعوت کا اولین مقصد یہی ہے۔ کہ تمام دنیا کے انسانوں کو اسی الٰہی دستور
حیات کی طرف ... جو صد ... آخری ... قرآن کی شکل میں ہمارے پاس

محفوظ ہے۔ اور جو ہر دستبرد سے اس وقت تک محفوظ ہے ۔

ہمارا اسلام سے تعلق کوئی روایتی یا نسلی مذہبیت کی بنا پر نہیں ہے
ہم روایتی یا نسلی مذہبیت کا قلادہ گردن سے اتار چکے ہیں - بلکہ اسلام کو ہم نے
اپنائے ہیں۔ ہم نے ایک مجوزہ منشور حیات کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کی ہے
اور ہم اس بات پر مطمئن ہو چکے ہیں کہ انسانیت کی اصلی قدر و قیمت
جس سے یہ پہلی بار کامیابی سے آشنا ہے اور حقیقی انسانی آزادی جو تصور یہ
پیش کرتا ہے اس کی بلندی تک کسی شے سے بڑے انقلابی کا تصور بھی نہیں
پہنچ سکتا ہے۔ یہ انفرادی سیرت اور اجتماعی عمل کا ایک ایسا نقشہ
پیش کرتا ہے جس سے بہتر کوئی نقشہ تخیل میں نہیں آسکتا۔ اسکا تجویز کردہ
اجتماعی زندگی میں ... کا توازن ایسا ہے کہ ایک مسلمہ
Atom کی بنیاد سے لیکر اجرام فلکی تک قانون کشش یکساں
ساری کائنات کی نظام میں پایا جاتا ہے بس اسی طرح سے یہ ثبوت ملتا ہے
کہ یہ دستور اسی حکیم کا بنایا ہوا ہے۔ جس نے اس جہان ارض و سماء کو عمل اور
حسن کے ساتھ بنایا ہے۔ یہ اطمینان حاصل کر لینے کے بعد ہم خدا کے بندوں کو
دعوت دیتے ہیں۔ کہ وہ دستور میں اپنی انفرادی زندگی کی کامیابی
اور اپنی اجتماعی زندگی کے مسائل کا حل تلاش کریں اور اس کے پیش
کردہ مجموعی اور تفصیلی نظام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہمارا
اجتماعات کی یہی اولین غرض و غایت ہے۔

میں ابھی جیسا کہ عرض کر چکا ہوں ہماری یہ دعوت کسی مخصوص قوم کیلئے
لئے نہیں ہے - یہ تو نوع انسان کی مشترک میراث ہے - لیکن اس دعوت کی حقیقت
اعتبار سے دنیا کی تمام قومیں یکساں بیمار ہیں افرادی بگاڑ اور روحانی
فاقہ کشی میں سب مبتلا ہیں - جاہلیت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا سب کو اپنے دامن
کی لپیٹ میں ڈھانپ چکا ہے - لیکن اس حالت کے باوجود کچھ قومیں ہیں - کہ خوش فہمی میں
مبتلا ہیں - چند دوسری قوموں کو اپنی حالت زبوں کا احساس ہو چکا ہے - اور بیشتر
حقیقت حال سے بے خبر ہو کر اسی راستہ پر سرپٹ دوڑی چلی جا رہی ہیں۔ اس وقت
صرف مسلمان ایسے نظر آتے ہیں جو بڑی خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔
لن تمسنا النار الا ایاما معدودات کے بہر فریب میں گرفتار
ہیں۔ جو غفلت اور معصیت کی زندگی گزارتے جا رہے ہیں اور صبح سے شام
انحراف اپنے شعائر اور اپنی تہذیب کا اقرار کر کے قدم بھی اجنبیوں کی
سانس لئے جا رہے ہیں۔ اسلام کے نظام رحمت سے رشتہ قطع کر کے بھی وہ اپنے
آپ کو رحمت خداوندی کا مستحق سمجھ رہے ہیں۔ اسلام اور اسکے اصولوں کو اپنے
دائرہ فکر سے خارج کر بیٹھے ہیں۔ اور اب انکی پہچان صرف یہ رہ گئی ہے کہ
گوشت کھانے میں ... ہیں دل کھول کر تقریبات کرتے ہیں اور اپنی بات کا
یقین دلانے کیلئے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں۔ یہ بیکھکے میں بیان کر رہا ہوں
گو میرا دل اندر سے رو رہا ہے میں اس ملت کو ایک بے جان لاش کی طرح دیکھ رہا
ہوں جو ... دنیا کی سرزمین پر پڑی ہے ... قدرت کی ...
اور ... ایمان ... شعور ...

ادھر یہ اُدھر پیشانی میں — یہ قسمت کی بازیگری ہے یا دور کا
انتقام — آپ خود فیصلہ کریں۔

لیکن مجھے جیسا کہ خود اکبر نے مجھ پر لطف ہے — کیا بے یقین مجھے اس
بات پر بھی ہے کہ اس بات کے جیسے کہ اندرونی اعتقاد میں ابھی زندگی ہے
اور باقی میں — ایک کروٹ بھی اگر یہ حق کے سہارے پر لے — تو اسکا
تن مردہ پھر زندہ ہو کر کھڑا ہو سکتا ہے — کاش مسلمان غفلت اور [illegible]
بھی پردہ ہٹا کر کہ حقیقت بین نظر سے اپنی حالت دیکھ لیں — کہ
وہ دیکھ لیں کہ اسلام جاہلیت سے ہی نہیں کہ تو ڑنے آیا تھا مسلمانوں نے
انہیں کو اپنایا — اور ان ہی سروں کو جو کبھی صرف ایک خدا کو
جھکتے تھے اپنے رہنماؤں کے آگے جھکا کر اپنے کو ذلیل و خوار کیا ہے
وہ عالمگیر تحریک جو دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کو طوفان کی طرح بہا لے گئی
تھی — جس نے تہذیب، فلسفہ، معیشت و معاشرت، روحانیت و سیاست کا
وہ پاکیزہ نظام جو لے لیا — جس نے نظام ہائے باطل کے بنیادوں کو ڈھا دیا تھا
جس نے شیطان کی شر انگیزی سے انسان کو محفوظ و مصئون کر دیا تھا — آج
وہ مسلمانوں کے ہاتھوں چند رسمی عبادتوں اور اکثر و بیشتر چند ضابطوں کا ایک ڈھانچہ
اور ایک بے مقصد مجموعہ بن کر رہ گئی ہے — ان کی فکر و عمل گوشہ اسلام کے
دائرے سے نکل چکے ہیں — اب انکی معاشرت نہ تجارت نہ تعلیم نہ دفتر نہ ادارے
نہ سیاست کوئی چیز بھی اسلام کی تابع نہیں رہی — جس حکم پر اسکے حکم کو
جانتے ہیں توڑ دیتے ہیں — یہ طرز عمل اسلام سے کھلا ہوا انحراف ہے۔

اور اسی کا نتیجہ ہے — کہ دنیا میں مصیبتوں کا شکار ہیں — اور اگر یہاں مصیبتوں سے
بچ گئے تو وہ دن دور نہیں جب خدا کے آگے جواب دہی کرنی ہوگی اور وہ دن کی
مصیبت بڑی ہی سخت مصیبت ہو گی — لہذا میں اسی لئے ہر
فرد سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ ٹھنڈے دل سے سوچے کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے؟
تم کیا تھے؟ اور کیا ہو گئے ہو؟ ذرا سوچو تو — کہ تم اقوام عالم میں سے تھے جنہیں ظاہر کرنے
کس بات کے مدعی ہو؟ کیا دعوی ہو صداقت کبھی تسلیم کیا گیا ہے؟ یاد رکھو
اسلام کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو آدھے ہونے پر حاصل کرنے پر ملتی ہو جائے۔ اسکا
مطالبہ ہے ادخلوا فی السلم کافۃ "پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ"۔
اسلام کو آدھے ہونے پر سودا کرنے والوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے — وہ صرف
مسلمانوں کو اپنا وفادار دیکھنا چاہتا ہے — وہ باطل سے کلی بغاوت کا مطالبہ کرتا ہے
وہ مسلمان کو یہ رخصت نہیں دیتا کہ باطل نظریات اور اصولوں میں سے کچھ کا وہ
باغی ہو اور کچھ کا حامی — جزوی باغی کہاں نہیں ہیں اور کس قوم اور
کس جماعت میں نہیں ہیں؟ لیکن مسلمان وہی ہو سکتا ہے جو کل کا باغی ہو وہ
کسی بت سے اپنی لو نہیں لگا سکتا — وہ سب کو توڑ کر صرف ایک جڑ کا
نہ اس کا ذہن وہ فقرہ کہ "یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے —
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات" — وہ بھی یہی جانتے ہیں کہ
اسلام کسی فرد یا قوم کا ورثہ یا ترکہ نہیں ہے۔ یہ تو خدا کے ساتھ عہد کرنے
والوں کے لئے زندگی گزارنے کا نظام ہے — یہاں وہی ہے جو اسکے نظام کی پابندی کرے
اور اپنے الٰہ حقیقی کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے زندگی کے ہر شعبہ میں اسکے احکام کا

پابند ہو — وہ جانتا ہے — کہ اسکی زندگی کا پروگرام مقرر اور متعین ہے
جو قرآن حکیم اور اسوۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم — کی صورت میں موجود ہے —
وہ یہ بھی جانتا ہے۔ کہ اسکی زندگی دراصل ایک داعی کی زندگی ہے اور اسکا
کام ہی یہ ہے — کہ نور ہدایت کی مشعل سے ظلمت کا دیکھوں کو روشن کرتا رہے
وہ انسانی برادری کی ہر فرد تک اپنے مالک کا پیغام رحمت پہنچانے کا ذمہ دار
رہتا ہے — اور ان تمام انسانوں اور پاکیزہ شخصیتوں کی محرومی پر کڑھتا رہتا ہے
جن تک یہ پیغام نہیں پہنچا ہے — یا پہنچا ہے تو ناقص اور ادھورے صورت میں —
الغرض وہ اپنی زندگی کا مقصد یوں ادا کرتا ہے —

مری زندگی کا مقصد ترے دین کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

حضرات! یہی جذبات ہیں جنہوں نے ہمکو ابھارا ہے — اور انہی مقاصد کیلئے
ہم ایک منظم جماعت بنا رہے ہیں۔ جو ایک طرف مسلمانوں کو انکا بھولا ہوا
سبق یاد دلاتی ہے۔ اور خدا سے مسلمانوں کے تعلق کی صحیح نوعیت ان پر آشکارا
کرتی ہے۔ غیر اللہ کی غلامی سے انکے دامن کو پاک کرنا چاہتی ہے۔ ان پر حقیقت
روشن کرنا چاہتی ہے۔ کہ اسلام مذہب سے بڑھکر ایک تحریک ہے جو ہر تحریک کی
طرح ایک نظم چاہتی ہے — حرکت چاہتی ہے تسلسل چاہتی ہے۔ اور ایک اجتماعی
16 اور منظم جد و جہد چاہتی ہے کوئی مسلمان اس نظم و جد و جہد سے بچکر اپنی نسبت
کتنی ہی پاکیزہ زندگی گزارنے کا دعوی کرے اسکی زندگی بے کار ہے لیکن اسلامی
نہیں ہو سکتی ہے بلکہ اسلام اپنی زندگی کو جاہلیت [illegible]

ہم اس جاہلیت کی زندگی سے نکلنا چاہتے ہیں — اور تمام مسلمانوں کو
اسی نکلنے کی دعوت دیتے ہیں —

اس ملک کے باہر ایک بہت بڑی اکثریت ان انسانوں کی ہے — جو زندگی کی
حقیقت سے ناواقف — اسکی قدر و قیمت سے ناآشنا — ظنی و تخمینی نظریات اور
قیاسی فلسفوں پر اپنی زندگی کی عمارت بنا رہے ہیں — انہی غیر واقعیت
زدہ مذہب ہیں اور وہی انکی زندگی سے حقیقت ہاتھ سے جا رہی ہے
اعتقاد و رواج سے بچکر وحی الٰہی (

ان کی جو مقدار و تہذیب آج تک رائج ہے وہ
اس قابل نہیں ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں مسائل زندگی میں انکی کچھ بھی
رہبری کر سکے اور تمام دنیا کیلئے ایک قابل عمل متوازن اور
عادلانہ نظام مرتب کر سکے واقعہ یہ ہے۔ کہ خدا کو چھوڑ کر ہم کوئی بھی
الٰہی جد و جہد نہیں رہتی جو تمام عالم انسانی کو ایک مرکز پر جمع کر سکے اور
نہ وہ مذہب جو غلط ایسا کوئی بھی ہستی رہتا جو انسانوں کو اجتماعی اور
انفرادی دو حیثیات سے کمال کے آخری درجے تک پہنچا سکے — اگر وہ
کسی فرد کو یا جماعت کو کسی درمیانی منزل پر پہنچا کر چھوڑ دے یا انسانی زندگی کے
کسی پہلو میں رہبری سے عاجز رہے تو سمجھ لینا چاہئے۔ کہ وہ ناقص ہی نہیں
بلکہ باطل ہے — جو خدا کی تو چاہتے ہیں کہ دو ایک یا زیادہ زیادہ خاندانی نظام
حد تک تو ہدایت بخشے انکی زندگی کے اہم اور بنیادی مسائل میں کوئی رہبری
نہ کر سکے۔ وہ خدا بننے کا مستحق ہی کب ہے کہ اسکی [illegible]
[illegible] وہ گردن میں ڈالا جا — یہی صورت اس مذہب کی بھی ہے — 3

کئی خداؤں کے سامنے سر جھکانے کا مطالبہ کرے۔ یا انکی اطاعت میں دے۔ خدا نے

زندگی میں وحدت پیدا کرتا رہتا تو دوسرا کتاب اللہ تقسیم و تفریق کا بازار

گرم کرکے لامرکزیت کو فروغ دیتی۔ اور عالمگیر انسانی وحدت کا خیال

خواب ہی بنا رہتا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس دنیا میں جس میں

اسوقت ہر جگہ اور ہر قسم کے خدا اگر آگئے ہیں۔ امن کی جگہ کون ہے؟ ــ

کہیں چین اور راحت ہے؟ ــ کہیں اتفاق و اتحاد ہے؟ ــ دنیا کا وہ کونسا

کونہ ہے جہاں انسان کا ہاتھ انسان کے گلے سے نہیں اٹھ رہا ہے؟ ــ ان

بہت سے خداؤں نے ملک کی ملک کی قوم اور نسل کی نسل کے رہنے والوں کو حیوانی

سطح سے بلند کرکے اخوت و محبت کے رشتہ میں پرو دیا ہے؟ ــ رنگ و نسل

زبان اور وطن کے بت انسانی رشتوں کو کاٹتے ہیں جوڑتے نہیں ہیں

ان بتوں کی پوجا نوع انسانی کی قطع کرتی ہے ــ

لہذا دنیا محتاج ہے ایک ایسے دین کی ہے۔ جو ایک مشترکہ بنیاد ڈالے اور ایک

مرکز پر دنیا کے تمام انسانوں کو جمع کرسکے اور ایک مکمل نظام زندگی پیش کر

سکے۔ انکا مکمل نظام عالمگیر شکل میں پیش کرسکے۔ اسلام اسی دین کا نام

18

24

26

28

30

34

36

38

(40)

(42)

44

45

47

(48)

(50)

(55)

57

58

59

61

62

از "غبار خاطر" مولانا ابوالکلام آزاد صفحہ ۲۲۰ / ۲۳۰ "انانیت" مضمون ! —

قلعۂ احمد نگر — ۹ جنوری سنہ ۱۹۴۳ء — صدیق مکرم :—

"انانیتی ادبیات" "Egotistic Literature" کی نسبت زمانۂ حال کے بعض نقادوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے۔ کہ وہ یا تو زیادہ دلپذیر ہوگی۔ یا بہت زیادہ ناگوار۔ کسی درمیانی درجہ کی یہاں گنجائش نہیں۔ "انانیتی ادبیات" سے مقصود تمام اس طرح کی خامہ فرسائیاں ہیں جن میں ایک مصنف کا ایغو (ego) یعنی "میں" نمایاں طور پر سر اٹھاتا ہے۔ مثلاً خودنوشتہ سوانح عمریاں، ذاتی واردات، تاثرات، مشاہدات، تجارب، شخصی اسلوب نظر و فکر، — میں نے "نمایاں طور" کی قید اس لئے لگائی۔ کہ اگر نہ لگائی جائے تو دائرہ بہت زیادہ وسیع ہو جائیگا۔ کیونکہ غیر نمایاں طور پر ہر طرح مصنفات میں مصنف کی انانیت ابھر سکتی ہے اور ابھرتی رہتی ہے۔ اگر اس اعتبار سے صورت حال پر نظر ڈالئے۔ تو ہماری درماندگیوں کا کچھ عجیب حال ہے ہم اپنے ذہنی انا کو ہر چیز سے بچائے جا سکتے ہیں۔ مگر خود اپنے آپ سے بچا نہیں سکتے۔ ہم کتنا ہی ضمیر غائب اور ضمیر مخاطب کے پردوں میں چھپ کر چلیں لیکن ضمیر متکلم کی پرچھائیں پڑتی ہی رہیگی۔ ہم جہاں جاتے ہیں ہمارا سایہ ہمارے ساتھ جاتا ہے۔ ہماری کتنی ہی خود فراموشیاں ہیں۔ جو دراصل ہماری خود پرستیوں ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک نکتہ شناس حقیقت کو کہنا پڑا تھا:—

فَقُلْتُ لَهَا مَا اَذْنَبْتُ ؟ قَالَتْ مُجِيبَةً . "وُجُودُكَ ذَنْبٌ لَا يُقَاسُ بِهِ ذَنْبٌ"

کل زیر تسوید کتاب کا ایک خاص مقام لکھ رہا تھا۔ کہ مبحث کی مناسبت سے قول مندرجۂ صدر ذہن میں تازہ ہو گیا۔ اور اس وقت حسب معمول صبح کو لکھنے بیٹھا۔ تو بے اختیار سامنے آ کھڑا ہوا۔ آئیے۔ لیجئے تھوڑی دیر کیلئے رک کر اس معاملہ پر غور کرلیں —

ایک ادیب، ایک شاعر، ایک مصور، ایک اہل قلم کی "انانیت" (Egotism) کیا ہے ؟

ابھی تو نہ تو فلسفۂ اخلاق کے مذہب 'انا' (Egoism) کا رخ کیجئے۔ نہ "خودی" (Selfness) (I am ness)

مصطلحۂ تصوّف میں جائیے ۔ صرف ایک عام تحلیلی زاویۂ نگاہ سے معاملہ کو دیکھئے ۔ آپ کو صاف دکھائی دیگا ۔ کہ یہ انانیت دراصل اسکے سوا کچھ نہیں ہے ۔ کہ اسکی فکری انفرادیت کا ایک قدرتی سرجوش ہے جسے وہ دبا نہیں سکتا ۔ اگر دبایا جاتا ہے ۔ تو اور زیادہ اُبھرنے لگتی ہے ۔ اور اپنی ہستی کا اثبات کرتی ہے

ابو العلاء معرّی نے جب اپنا مشہور لامیہ کہا تھا ۔

الا فی سبیل المجد ما انا فاعل — عفاف و اقدام و حزم و نائل

یا جب ابو فراس حمدانی نے اپنا لافانی رائیہ کہا ۔

اراک عصی الدمع شیمتک الصبر — اما للهوی نهی علیک ولا امر

یا جب ابن سناء الملک نے اپنے زمانہ کو مخاطب کیا تھا ۔

وانک عبدی یا زمان، واننی — علی الرغم منی ان اری لک سیدا
وما انا راض اننی واطئ الثری — ولی همة لا ترتضی الافق مقعدا

یا جب فردوسی کے قلم سے نکلا تھا ۔

بسے رنج بردم درین سال سی — عجم زندہ کردم بدین پارسی

یا مثلاً جب فیضی نے نل دمن نظم کرتے ہوئے یہ اشعار کہے تھے :—

امروز نہ شاعرم حکیمم — دانندۂ حادث و قدیمم
بر بستہ زبان تمام گوش است — خاموشی من بصد خروش است
این بادہ کہ جوش شد از ایاغم — خون است چکیدہ از دماغم
صد دیدہ بہ قطرۂ دل افتاد — کیں موج گہر بساحل افتاد
بگداختہ آبگینۂ دل — آئینہ دہم بدست محفل

نظم

آنم کہ بسحر کاریٔ زرف — از شعلہ تراش کردہ ام حرف

بانگِ قلم درین شبِ تار — بس معنیِ خفتہ کردہ بیدار

مہر تخت زسحر کاریٔ زرف — از صبح ستارہ وزنی حرف

ہر نغمہ کہ بستہ ام برین تار — ناقوس نہفتہ ام بہ زنار

این گل کہ بہ بوستان نثاری است — از من بہ بہار یادگاری است

یا جیسا انیس نے کہا تھا — لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار — خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

یہ کوئی محض شاعرانہ تعلیاں نہ تھیں۔ یہ انکی پرجوش انفرادیت تھی جو بے اختیار چیخ رہی تھی۔ لیکن ساتھ ہی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ "انانیت" کا یہ شعور کچھ اس نوعیت کا واقع ہوا ہے کہ ہر انفرادی "انانیت" اپنے اندرونی آئینہ میں جو عکس ڈالتی ہے۔ بیرونی آئینوں میں اس سے بالکل الٹا عکس پڑنے لگتا ہے۔ اندر کے آئینہ میں ایک بڑا وجود دکھائی دیتا ہے۔ باہر کے تمام آئینوں میں ایک چھوٹی سی چھوٹی شکل ابھرنے لگتی ہے۔ ع "خودی آئینہ دارد کہ محروم است اظہارش"

یہی صورت حال ہے۔ جہاں سے ہر مصنف کی جو خود اپنی نسبت کچھ کہنا چاہتا ہے۔ ساری مشکلیں ابھرنی شروع ہو جاتی ہیں۔ وہ جبکہ خود اپنی نسبت کچھ کہتا اپنے عکس کو جو اسکے اندرونی آئینہ میں پڑ رہا ہے، جھٹلا نہیں سکتا، تو اچانک کیا دیکھتا ہے۔ کہ باہر کے تمام آئینے اُسے جھٹلا رہے ہیں جو "میں" خود اسکے لئے بے حد اہمیت رکھتی ہے۔ وہی دوسروں کی نگاہوں میں یکسر غیر اہم ہو رہی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک ایسی حالت میں محسوس کرنے لگتا ہے جیسے ایک مصور تصویر کھینچنے کے لئے موقلم اٹھائے۔ مگر اُسے یقین ہو کہ میں کتنی ہی مصورانہ قوت کام میں لاؤں، میری نگاہ کے سوا اور کوئی نگاہ اس مرقع کی دلآویزی نہیں دیکھ سکیگی۔ ! —

آئینہ نقش بند طلسم خیال نیست   تصویر خود بلوحِ دگر بستیم ما ۔

اس شکل سے صرف خال خال مصنف ہی عہدہ برآ ہو سکتے تھے - اور ہوئے ہیں - یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی "انانیت" کو بغیر کسی نمائشی وضع میں سجائے، دوسروں کے سامنے اُن کی اصل حیثیت رکھتے تھے - دنیا کے سامنے انکی "انانیت" آئی مگر اسطرح آئی، جیسے ایک بے تکلف آدمی بغیر سج دھج بنائے سامنے آکھڑا ہو - یہ بات کہ ایک آدمی بغیر کسی بناوٹ کے اپنی واقعی صورت میں سامنے آگیا - بخود حقیقت کی ایک خاص دلکشی رکھتا ہے - اور اسلئے دنیا کی نگاہوں کو بے اختیار اپنی طرف کھینچ لیتی ہے - جو خاص خاص ادیب ایسا کر سکے انکی "میں" خواہ کتنی ہی بڑی اور دوسروں کیلئے کتنی ہی چھوٹی واقع ہوئی ہو - لیکن دنیا انکی دلپذیری سے انکار نہ کر سکی - دنیا کو انکی انانیت کی مقدار ناپنے کی مہلت ہی نہیں ملی - وہ انکی بے تکلفانہ واقعیت دیکھ کر بے خود ہو گئی -

ایک آدمی جب اپنی تصویر اتروانی چاہتا ہے - تو خواہ اسے اسکا شعور ہو یا نہ ہو - لیکن اس خواہش کی تہ میں اسکی انانیت کی ایک دھیمی آواز ضرور بولنے لگتی ہے - تصویر اتروانے کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں - ایک حالت وہ ہے جسے مصورانہ وضع (pose) سے تعبیر کیا جاتا ہے - یعنے تصویر اتروانے کیلئے ایک خاص طرح کا انداز بہ تکلف اختیار کر لیا - ایک ماہر فن مصور جانتا ہے کہ کسی چہرے اور جسم کی مصورانہ وضع کیسی ہونی چاہئیے؟ وہ جب تک نشست و وضع کی نوک پلک درست نہیں کر لیگا - تصویر نہیں اتاریگا - سو میں ننانوے آدمیوں کی خواہش یہی ہوتی ہے - کہ نشست اور ڈھنگ سجاکے تصویر اتروائیں - لیکن فرض کرو ایک آدمی بغیر کسی تیاری اور وضعی انداز کے آلۂ انعکاس کے سامنے آگیا - اور اسی عالم میں اسکی تصویر اتر آئی - تو ایسی تصویر کس نگاہ سے دیکھی جائیگی؟ ایسی تصویر محض اسلئے کہ بے ساختگی اور واقعیت کی ٹھیک ٹھیک تعبیر پیش کرتی ہے، یقیناً ایک خاص قدر و قیمت پیدا کر لیگی - اور جس صاحب نظر کے سامنے جائیگی اسکی توجہ اپنی طرف کھینچ لیگی - وہ یہ نہیں دیکھیگا - کہ حلیہ کیسا ہے - وہ خوش شکل ہے؟ وہ اسمیں محو ہو جائیگا - کہ خود تصویر کتنی بے ساختہ ہے۔

بعینہ یہی مثال اس صورت حال کی بھی سمجھ لیجئے - جو مصنف اپنی انانیت کی بے ساختہ کھینچ سکتے ہیں

وہ اس معاملہ کی ساری مشکلوں پر غالب آجاتے ہیں - انہوں نے اپنی تصویر خود اپنے قلم سے کھینچی لیکن یہ بات اسکی دلاویزی میں کچھ خلل نہ ہوسکی - کیونکہ تصویر بے تکلف اور بیساختہ کھینچی وہ لوگوں کو باعظمت دکھائی دیا نہ دے لیکن اسکی بیساختگی کی گہرائی سب کی نگاہوں کو لبھا لیگی - ایسے ہی مصنف ہیں جو اپنی انانیت کو لافانی دلپذیری کا جامہ پہنا دیتے ہیں -

لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ انسان کی تمام معنوی محسوسات کیطرح اسکی انفرادیت کی نمود بھی مختلف حالتوں میں مختلف طرح کی نوعیتیں رکھتی ہے - کبھی وہ سوتی رہتی ہے، کبھی جاگ اٹھتی ہے، کبھی اُٹھکر بیٹھ جاتی ہے اور پھر کبھی زور و شور سے اچھلنے لگتی ہے - انسان کی ساری قوتوں کیطرح وہ بھی نشو و نما کی محتاج ہوئی جسطرح ہر ایک انسان کا ذہن و ادراک یکساں درجہ کا نہیں ہوتا - اسطرح انفرادیت کا جوش بھی ہر دماغ میں ایک ہی طرح نہیں ابلتا - مدارج کا یہی فرق ہے - جو ہم تمام ادیبوں، شاعروں، مصوروں، اور موسیقی نوازوں میں پاتے ہیں اکثروں کی انفرادیت بولتی ہے مگر دھیمے سروں میں بولتی ہے - بعضوں کی انفرادیت اتنی پرجوش ہوتی ہے - کہ جب کبھی بولیگی سارا گرد و پیش گونج اٹھیگا :-

یکبار نالہ کردہ لم از درد اشتیاق - از شش جہت ہنوز صدا میتوان شنید !

اسی نے ایک عرب شاعر کو کہتا پڑا تھا :-

وَمَا الدَّهرُ اِلَّا مِن رُواۃِ قصائدی - اذا قُلتُ شِعراً اَصبَحَ الدَّهرُ مُنشِداً

ایسے افراد اپنی "میں" کا سرجوش کسی طرح نہیں دبا سکتے - انکی خاموشی بھی چیخنے والی اور انکا سکون بھی تڑپنے والا ہی ہوتا ہے - انکی انفرادیت دبانے سے اور زیادہ اچھلنے لگیگی - ایسے افراد جب کبھی "میں" بولتے ہیں تو اسمیں قصد، بناوٹ اور نمایش کو کوئی دخل نہیں ہوتا - وہ سرتاسر حقیقت حال کی ایک بے اختیارانہ چیخ ہوتی ہے فیضی کی ایک ایسی ہی چیخ تھی جو اسوقت ہمارے سامنے سے گذر رہی ہے :-

مے کشد شعلہ سر از دلِ صد پارۂ ما   جوشِ آتش بود امروز بفوارۂ ما ۔

لیکن ہر قانون کی طرح یہاں بھی مستثنیات ہیں۔ ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ کبھی کبھی ایسی شخصیتیں بھی دنیا کے مرسح (اسٹیج) پر نمودار ہو جاتی ہیں جن کی "انانیت" کی مقدار اضافی نہیں ہوتی۔ بلکہ مطلق نوعیت رکھتی ہے۔ یعنی خود انہیں انکی انانیت جتنی بڑی دکھائی دیتی ہے۔ اتنی ہی بڑی دوسروں کو بھی دکھنے لگتی ہیں۔ انکی انانیت کی پرچھائیں جب کبھی پڑیگی۔ تو خواہ اندر کا آئینہ ہو خواہ باہر کا اسکے ابعادِ ثلاثہ (3 Dimensions) ہمیشہ یکساں طور پر نمودار ہو گئے ۔ ایسے اخص الخاص افراد کو عام معیارِ نظر سے الگ رکھنا پڑیگا۔ ایسے لوگ فکر و نظر کے عام ترازوؤں میں نہیں تولے جا سکتے۔ ادب و تصنیف کے عام قوانین انہیں اپنے شکنجوں سے نہیں جکڑ سکتے۔ ہمیں زمانے کا الٹا یہ حق تسلیم کر لینا پڑتا ہے۔ کہ وہ جتنی مرتبہ بھی چاہیں "میں" بولتے رہیں۔ انکی ہر "میں" انکی ہر "وہ" اور "تم" سے کہیں زیادہ دلپذیر ہوتی ہے —

'انانیتی' ادبیات کی کوئی خاص قسم لے لیجئے۔ مثلاً خود نوشتہ سوانح و واردات' اور پھر مثال کیلئے بغیر کاوش کے چند شخصیتیں چن لیجئے مثلاً سینٹ اگسٹائن (Augustine) روسو، اسٹرنڈبرگ (Strindberg) ٹالسٹائی، اناطول فرانس، آندرے ژید (Andre Gide) انکے خود نوشتہ سوانح جیم مختلف نوعیتوں کی جیم مختلف تصویریں ہیں۔ لیکن سب نے یکساں طور پر ادبیات عالم میں دائمی جگہ حاصل کر لی۔ کیونکہ تصویریں بے رخنہ اور واقعی ہیں۔ مشرقی ادبیات میں مثلاً غزالی، ابن خلدون، بابر، جہانگیر، اور ملا عبدالقادر بدایونی نے خود نوشتہ حالات سامنے لائے۔ ہم کتنی ہی مخالفانہ نگاہوں سے انہیں پڑھیں، لیکن انکی دلآویزی کے مطالعہ سے انکار نہیں کر سکتے۔ غزالی نے اپنے فکری انفعالات کی سرگذشت سنائی۔ ابن خلدون نے اپنے تعلیمی اور سیاسی حالات کی داستانسرائی کی۔ بابر نے جنگ اور امن کے واقعات و واردات قلمبند کئے۔ جہانگیر نے تخت شہنشاہی پر بیٹھ کر وقائع نگاری کا قلمدان کھلا رکھا۔ ان سب میں انکی انانیتیں بے پردہ بول رہی ہیں۔ ہم انہیں خود انکی نگاہوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ تاہم

دیکھتے ہیں، اور انکی لاثانی دلآویزی سے انکار نہیں کر سکتے بلکہ بغیر کسی بناوٹ کے سامنے آگئی ہیں۔

بدایونی کا معاملہ اوروں سے الگ ہے۔ طبقۂ علماء کا ایک فرد جس نے وقت کی درسیاتی تعلیم حاصل کرکے علماء کے حلقے میں اپنی جگہ بنائی اور دربار شاہی تک رسائی حاصل کرلی۔ اسکی زندگی کی تمام سرگرمیوں میں اگر خصوصیت کے ساتھ کوئی چیز ابھرتی ہے۔ تو وہ اسکی بے لاگ تنگ نظری، بے روک تعصب، اور بے میل راسخ الاعتقادی ہے۔ ہمیں اسکی انانیت نہ صرف بہت چھوٹی دکھائی دیتی ہے۔ بلکہ قدم قدم پر انکار و تنفر کی دعوت دیتی ہے۔ تاہم یہ کیا بات ہے کہ اس پر بھی ہم اپنی نگاہوں کو اسکی طرف اٹھنے سے روک نہیں سکتے؟ ہم اسے پسند نہیں کرتے پھر اسے پڑھتے ہیں اور جی لگا کر پڑھتے ہیں۔ غور کیجئے۔ یہ وہی بات ہوئی جو ابھی تھوڑی دیر ہوئی ہم سوچ رہے تھے۔ جس شخص کی یہ تصویر ہے۔ وہ خود خوبصورت نہیں ہے لیکن تصویر کیفیت ایک تصویر کے خوبصورت ہے۔ اسلئے ہماری نگاہوں کو بے اختیار اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ یہ صاحب تصویر نہیں تھا جس نے ہماری نگاہوں کو کھینچا۔ یہ تصویر کی بے ساختگی تھی جس کی بلاوے کی کشش سے ہم اپنے آپ کو نہ بچا سکے!

ٹالسٹائی غالباً ان خاص شخصوں میں سے تھا جن کی انانیت کی مقدار اضافی ہونے کی جگہ ایک مطلق نوعیت رکھتی تھی اسکی "انانیت" خود اسے جتنی بڑی دکھائی دی دنیا نے بھی اسے اتنا ہی بڑا دیکھا۔ پچھلی صدی کے آخری اور اس صدی کے ابتدائی دور میں شاید ہی وقت کا کوئی مصنف اسی خود اعتمادی کے ساتھ "میں" بول سکا، جس طرح یہ عجیب و غریب روسی بول رہا ہے۔ اسکے خود نوشتہ حالات، اسکے ذہنی واردات و تاثرات، اسکے مختلف وقتوں کے مکالمے اور روزنامچے اسکے فنی اور ادبی مباحث، سب میں اسکی انانیت بغیر کسی نقاب کے دنیا کے سامنے آئی۔ اور دنیا اسے عالمگیر ذوق کے ساتھ جمع کرتی رہی، اسکے خود نوشتہ سوانح جو ایک بیرنگ سادگی کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ اسکی "وار اینڈ پیس" اور اینا کارینینا سے کم دلپذیر نہیں ہیں۔ اور در اصل ان دونوں افسانوں میں بھی اسکی انانیت ہی کی صدائیں ہم سن رہے ہیں۔ زمانہ اسکی قلم کاریوں کا رنگ و روغن ابھی تک مدھم نہیں کر سکا۔ پچھلی جنگ کے زمانہ میں

لوگ ارسطو وار اپنے دیس ڈھونڈنے لگے تھے اور اب پھر ڈھونڈ رہے ہیں ۔

جدید عہد میں ٹالسٹائی کی عظمت بحیثیت ایک مفکر کے بہت دماغوں کو متوجہ کر سکے گی۔ یورپ اور امریکہ کے دماغی طبقوں میں بہت کم لوگ ایسے نکلیں گے جو اس کے معاشرتی فلسفے اور جمالیاتی (Aesthetics) افکار کو اس نظر سے دیکھنے کے لئے تیار ہوں، جس نظر سے اس صدی کے ابتدائی دور کے لوگ دیکھا کرتے تھے۔ تاہم اس کی انانیتی ادبیات کی دلپذیری سے اب بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس کی عجیب زندگی کا معمہ اب بھی بحث و نظر کا ایک دلپسند موضوع ہے۔ ہر دوسرے تیسرے سال کوئی نہ کوئی نئی کتاب نکلتی رہتی ہے ۔

پچھلی صدی کے آخری اور اس صدی کے ابتدائی دور میں بکثرت خود نوشتہ سوانح عمریاں لکھی گئیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس عہد کے ہر جیتے مصنف نے ضروری سمجھا کہ اپنی گذری ہوئی زندگی کو آخری عمر میں پھر ایک مرتبہ دہرا لے۔ دنیا کے کتب خانوں نے ان سب کو اپنی الماریوں میں جگہ دی ہے۔ لیکن دنیا کے دماغوں میں بہت کم کو جگہ مل سکی ۔

میں نے ابتدائی سطروں میں "ایغو" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ وہی یونانی "Ego" کی تعریب ہے۔ جو ارسطو کے عربی مترجموں نے ابتدا ہی میں اختیار کر لی تھی۔ اور پھر فارابی اور ابن رشد وغیرہ برابر استعمال کرتے رہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ فلسفیانہ مباحث میں "انا" کی جگہ "ایغو" کا استعمال زیادہ موزوں ہوگا۔ یہ ہمارے لئے ایک فلسفیانہ اصطلاح کی روشنی کر دیتا ہے۔ اور ٹھیک وہی کام دیتا ہے جو یورپ کی زبانوں میں "ایگو" دے رہا ہے۔ یہ اس اشتباہ کو بھی دور کر دیگا جو "انا" مصطلحۂ فلسفہ اور "انا" مصطلحۂ تصوف میں باہمدگر پیدا ہو سکتا ہے۔ اردو میں ہم "ایگو" بجنسہٖ لے سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں "گاف" سے احتراز کرنے کی ضرورت نہیں ۔ ———

ابوالکلام ~~21/5/61~~

نقل کردہ
21/5/61

علیم محمد عاصم کا پریزیڈنشل ایڈریس جو اسنے بزم ادب اردو اسلامیہ کالج میں ۲ فروری ۳۶ء

برادران عزیز!

میں اپنی خوش قسمتی پر جسقدر ناز کروں کم ہے۔ مجھے اس سعادت کی توفیق حاصل ہوئی۔ کہ آپ دوبارہ اپنی برادرانہ

درسگاہ کے ان ذروں کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں جنکے اندر مودّتِ دینی اور اخوتِ اسلامی کے ہزاروں آفتاب رقص کر رہے ہیں

ان شموسِ بازغہ کی روشنی میں جب میں اپنی چاروں طرف نگاہ دوڑاتا ہوں۔ تو مجھے رنگا رنگ کے جلوے نظر آتے ہیں۔

جدھر آنکھ اٹھاتا ہوں۔ جان کی آسودگی اور روح کی بالیدگی کا سامان موجود پاتا ہوں۔ اسکو بعید از سوءِ اتفاق نہیں۔

بلکہ بطور حقیقت نفس الامری عرض کرتا ہوں۔ کہ اس عظیم الشان اجلاس کی صدارت کا میں مطلق اہل نہیں تھا۔ آپ ویسے لوگوں میں

اور بہت سی خوبیاں ہونگی۔ لیکن اب مجھے معلوم ہو گیا۔ کہ انہیں کم از کم مردم شناسی کا جوہر بالکل موجود نہیں۔ اگر ہوتا۔ تو آج

جناب ڈاکٹر صاحب۔ حضرت مولانا عبد الرحیم۔ برادر مکرم مسٹر بشیر احمد نازاں کے ہوتے ہوئے یہ بارِ امانت مجھ ظلوم و جہول کے

سپرد نہ کیا جاتا ___ البتہ مجھے انکی محبت کی قدر ضرور ہے۔ کہ آپنے اس دار العلم کے ایک پرانے خوشہ چین کو یاد فرمایا۔

میں دعا کرتا ہوں۔ کہ ذمہ داری کا جو بوجھ مجھ پر ڈالا گیا ہے۔ مجھے اسکے تحمل کی توفیق مرحمت فرمائی جاوے۔ آمین۔

جب پروردگارِ عالم کی قدرتِ کاملہ نے ہمارے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر اٹھایا۔ تو فرشتوں کو شک ہوا۔ اور

انہوں نے جنابِ باری کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ یہ مخلوق فساد و خونریزی کا باعث ہو گی۔ اگر آپ کو تقدیس و تکریم ہی کرانی

تھی کیا اس مقصد کیلئے ہم کسی سے کم ہیں۔ جواب ملا تم اس رمز کو نہیں جانتے۔ غرض حضرت آدم ع منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے

تو انہیں اسمائ کی تعلیم دی گئی۔ اور اسمائ کے اس علم کو وجہ فضیلت قرار دیتے ہوئے بطور اتمامِ حجت فرشتوں سے فرمایا

کہ کیا تمہیں بھی اسما کا علم ہے۔ انکی طرف سے جب لاعلمی کا اظہار ہوا۔ تو آدم ع سے کہا گیا۔ کہ تم انہیں تعلیم دو۔ اب فرشتوں کو

اپنے عجز کا اعتراف اور اپنے کچھ دیر پہلے کے رقیب کا شرف بجز تسلیم کرتے ہی بنی ___ اسما کیا ہیں؟ نہ صرف کلمات

غیر ذو العقول بلکہ مجردات عقلیہ کے وجود اور ان کے علائم یعنی حقیقتِ اشیا کا علم۔ اس علم کے اظہار کیلئے آدم ع کو قوتِ گویائی بخشی گئی

جسنے اس کو اشرف المخلوقات کا درجہ بخش دیا۔ زبان محض ایک پارۂ گوشت ہے۔ لیکن اسی نے اس تیرہ خاکدان کے بسنے والے

کوہی زادہ کے آگے نوریانِ فلک کی گردن جھکا دی ___

زبانوں میں اختلاف کے اسباب!

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ آفرینش انسان کے اولین دور میں انسان کی زبان کیا تھی۔ اسکے متعلق یقینی طور پر کچھ کہنا ناممکن ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے۔ کہ مختلف ممالک میں جیسی نوعیت کی آب و ہوا تھی۔ جس قسم کا ماحول تھا۔ اسی کے موافق زبانیں بنیں۔ اسکے مطابق لب و لہجہ بنتا چلا گیا۔ انہیں قدیم زبانوں میں ایک زبان سنسکرت بھی تھی۔ وسط ایشیا کی سطح مرتفع یا زمانہ حال کے بعض محققین کے نظریہ کے بموجب سواحل بحر منجمد شمالی کے برفستانوں سے سنسکرت بولنے والے حملہ آوروں کا ایک جم غفیر دریائے انڈس کو عبور کرتا ہوا پنجاب کے میدانوں کی طرف بڑھا۔ انہیں میں سے ایک جماعت نے ایران کا رخ کیا۔ اور ان دونوں تاریخی خطوں میں اسباب گرد و پیش زبان کی تشکیل پر اپنا اثر ڈالتے رہے۔ سرزمین ایران میں ہزارہا سال بعد سنسکرت نے فارسی کی شکل اختیار کی۔ اس لحاظ سے فارسی سنسکرت کی بیٹی ہے۔ دونوں زبانوں کا مقابلہ کرکے دیکھیے الفاظ کے مخارج میں تمہیں ایک وحدت نوعی نظر آئیگی۔

کوہ ہندوکش کو عبور کرنے کے بعد کئی ہزار سال تک آریہ لوگ پنجاب میں رہے۔ یہ ویدوں کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ کے لوگ موجودہ زمانہ ہندوؤں کی نسبت زیادہ قوی بازو، زیادہ فراخ حوصلہ، زیادہ روشن دل، اور بہت زیادہ آزاد خیال تھے۔ کھانے پینے کے معاملہ میں بھی انکا مسلک وہ نہ تھا۔ جو آجکل کے ہندوؤں کا ہے۔ پنجاب کے مسخر کرنے کے بعد آریہ لوگوں نے وادی گنگا کا رخ کیا۔ اور کئی ہزار سال تک انکی تہذیب گنگا جمنا کے ساحل کی گود میں پرورش پاتی رہی۔ متھرا میں انکی شاندار تمدن کی دیرپا یادگاریں قائم ہوئیں۔ کاشی انکی روحانیت کا مرکز بنا۔ یہ وہی مقام ہے۔ جو آجکل پنڈت مالویہ جی کی روحانیت کا صدر مقام ہے۔ مگر قدیم ہندوؤں کی روحانیت مالویہ جی کی روحانیت سے بالکل جدا تھی۔ اسکے بعد یہ لوگ صوبہ بہار سے ہوتے ہوئے وسط ہند۔ اور جنوبی ہند میں پہنچے اور وہاں کے باشندوں کو غلام بنا لیا۔

سنسکرت قدیم ہندوؤں کے اونچے طبقے میں بولی جاتی تھی۔ عوام پراکرت بولتے تھے۔ ہندوؤں کے مشہور واضع قوانین منو جی مہاراج نے ہندوؤں کو چار ذاتوں پر تقسیم کر دیا۔ اور خالص سنسکرت پڑھنے اور بولنے کا حق صرف اُن لوگوں کیلئے محفوظ کر رکھا جو انکے زعم میں برہما مہاراج کے منہ سے نکلے تھے۔ کیونکہ مذہب ہنود اور اسکے حقائق سے آگاہی رکھنے والے یہی لوگ تھے۔ اس فرقہ کا اقتدار

رفتہ رفتہ بڑھا لیا - انکی تعلیم یہ تھی - کہ چھتری ہمارے دہنے بازو ہیں - انکا کام ملک کو فتح کرنا اور عوام سے ہمارا حق منوانا ہے - ویش کا کام تجارت اور دوکانداری سے رزق پیدا کرنا اور ہمارے نذریں بہم پہنچانا ہے - ہندوستان کے ان قدیم باشندوں کو جن پر انکا بس چل گیا - شودر کا لقب دیا - اور ان سے ادنی خدمات لیتے تھے - حالانکہ یہی شودر آریہ حملہ سے پہلے ایک بہت بڑے شاندار تمدن کے بانی اور صاحب علم و فضل تھے - ان قدیم باشندوں کی تہذیب کا مطالعہ کرنا ہو تو جنوبی ہند کے طویل و عریض تالاب ملاحظہ فرمائے جائیں - جن سے ابتک آبپاشی کا کام لیا جاتا ہے - اور جنکی صنعت و کمال پر آج کا فن انجینیری انگشت بدنداں ہے -

سنسکرت کی حیثیت بتقاضائے زمانہ محض ایک علمی زبان کی رہ گئی - پراکرت یعنی عوام الناس کی زبان رفتہ رفتہ ان تمام اقوام کے اثرات کو قبول کرتی گئی - جو یکے بعد دیگرے ہندوستان پر حملہ آور ہوئیں - ایرانیوں کا حملہ ہوا - تو ایرانی الفاظ اسمیں ملگئے - یونانی حملہ آور ہوئے - تو انکی زبان نے اس پر اثر کیا - مسلمانوں کے زمانے میں نہایت ہی پر اسرار مگر دل آویز انداز عربی اور فارسی کے الفاظ اسمیں خلط ملط ہونے شروع ہوگئے اور ایک نئی زبان کا ڈھانچا تیار ہونے لگا - آپ جانتے ہیں - کہ زبان ہمیشہ آہستہ آہستہ تدریجی منازل طے کرنے کے بعد بنا کرتی ہے - دفعتہً اور بغتہً پردۂ عدم سے نکل کر منصۂ شہود میں نہیں آجاتی - غرض پراکرت نے فارسی عربی اور یونانی کے ساتھ ملکر پہلے ہندی پھر اردو کی شکل اختیار کی - اردو ہندی کی ہی ایک ترقی یافتہ شکل ہے - جسکا رسم الخط فارسی ہے - اسکی صرف و نحو خالصہ سنسکرت ہی کی رہی - البتہ اسمیں فارسی عربی کے الفاظ کافی تعداد میں شامل ہوگئے - یا یوں کہیئے - کہ سنسکرت کے ڈھانچہ پر فارسی اور عربی کا لباس نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ چڑھا دیا گیا - فارسی کے نام سے ہندو خواہ مخواہ ناراض ہوتے ہیں - انہیں تو الٹا خوش ہونا چاہیئے - کیونکہ فارسی آخر سنسکرت کی بہن ہے لیکن پنڈت مالویہ کو اسسے تو خدا واسطے کا بغض ہے - آپنے ایک کتاب لکھی ہے - جسمیں اپنی تمام قوتیں اور اپنی ساری قابلیتیں اس بات کے ثابت کرنے میں صرف کردی ہیں - کہ فارسی رسم الخط بدترین اور تکلیف دہ ہے - بخلاف اسکے ہندی کا رسم الخط آسان ترین اور موزوں ترین ہے - حالانکہ فارسی رسم الخط میں جو اختصار کی خصوصیت ہے وہ ہندی میں نام کو نہیں -

مختصر سی جگہ میں طویل وبسیط مطالب کو بیان کر دینا - جو خیالات کے کتابی اظہار کا معراج کمال ہے - فارسی رسم الخط میں بدرجہ اتم دیکھئے
اس پر عبور حاصل کرنے کے لئے محنت کی ضرورت بیشک ہے لیکن انسان بننے میں بھی تو محنت درکار ہے ——

قصہ مختصر یہ کہ ان مختلف زبانوں کے دلنواز مجموعے نے اردو کی شکل اختیار کی - مسلمانوں کے ہزار سالہ تمدن نے اسے رنگا رنگ خوانی پر چڑھا - انکے فنون لطیفہ اس زبان کو معراج کمال تک پہنچانے میں حصہ دار ہے - آج سے سو سال پہلے یہ زبان تحریری نہ تھی - اسے تحریری زبان بنانے کا سہرا انگریزوں کے سر ہے - جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے شاہ عالم سے بہار اڑیسہ کی دیوانی کا اجارہ لیا تو اس زمانہ تک سرکاری اور عدالتی تعلیم اور کاروباری زبان فارسی ہی تھی - انگریزوں نے سوچا کہ فارسی کے زندہ رہنے سے مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال باقی رہیگا - کہ ہمارے آبا و اجداد اس ملک پر حکومت کرتے تھے - یہ خیال ایک ایسی سلطنت کے لئے جو ابھی [illegible] تھا جسکے اقتدار کا محل اسلامی سلطنت کے کھنڈروں پر بنا تھا - اس خیال کو مسلمانوں کے دلوں سے نکالنے کے لئے فارسی کو تو سرے اڑانے کا فیصلہ کر لیا گیا - اب ضروری تھا کہ اسکی قائم مقام زبان کی تلاش کیجائے - لہٰذا انتخاب اردو پر پڑی - سنہ ۱۸۰۱ء ہی چند ہندؤں اور مسلمان ادیبوں کو سرکاری طور پر تصنیف کے کام پر لگایا گیا - باغ و بہار - قصہ حاتم طائی - بیتال پچیسی وغیرہ اسی زمانے کے ادبی یادگاریں ہیں ——

تھوڑے ہی عرصے میں بنگال بہار آگرہ اور اودھ میں اردو کا رواج عام ہو گیا - اور جب پنجاب کا ملک انگریزوں کے قبضے میں آیا - تو وہاں بھی اردو زبان کو سرکاری سرپرستی حاصل ہو گئی - اردو کے رسم الخط پر اس زمانہ میں بھی وہی اعتراضات ہو سکتے تھے - جو آجکل وارد کئے جاتے ہیں - مگر انگریزوں کی عقل پنڈت مالویہ کی عقل سے قدرے زیادہ ہی تھی - انہیں معلوم تھا - کہ ہندی ناگری وغیرہ کے حروف ذ - ض - ق وغیرہ کی ادائیگی سے قاصر ہیں - اور اگر ذالک فضل اللہ کو ہندی یا ناگری میں لکھا جائے تو جالے کا پھلا ہی پڑھا جائیگا اور اسی طرح القادر پھادر بن کر رہ جائیگا - لہٰذا انہوں نے اسی زبان کا انتخاب کیا - جسکے رسم الخط میں ہ ق - ش کی ادائیگی کا جوہر محفوظ ہے اور جو کہ گھ اور ٹھ - کو بھی اسی تلفظ کے ساتھ ادا کر سکتی ہے جیسے ز - ذ - ض - ظ اور ق کو ——

پچاس سال اس طرح گذر گئے - مسلمانوں کے دل و دماغ پر انگریزی ملوکیت کا اثر معنوی ہو چلا - اور انہیں اپنی قومی روایات کو فراموش کرنے کی استعداد حاصل ہو گئی - اب انگریزوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا - کہ کہیں لارڈ میکالے جیسی حماقت پھر سرزد نہ ہو جو لارڈ میکالے کی سفارش پر ہندوستانیوں کو انگریزی تعلیم کی برکات سے مالا مال کر کے انہیں حب الوطنی کا مادہ پیدا کر دیا تھا - جس کا نتیجہ یہ ہوا - کہ آج ہر طرف شورش برپا ہو رہی ہے - لوگ نئی ڈپلومیٹک اصولوں سے واقف ہو رہے ہیں اور ہمارے ہی سکھائے ہوئے ہتھیاروں ہم پر حملے کر رہے ہیں - اگر اردو ہندوستان کی Lingua Franca ہو گئی تو ہندوستان کے تمام باشندے ایک ہو جائینگے اور ایک دوسرے کے خیالات کو نہایت آسانی سے سمجھ سکینگے - انکی قدر کرنے لگینگے - انمیں یکجہتی پیدا ہو جائیگی - اور وہ سب ایک متحدہ قومیت میں منسلک ہو جائینگے - اس وقت برطانیہ کے کاربرداران خاص کو لسانی افتراق کی حکمت عملی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا - اور اردو ہندی کا سوال پیدا کر کے ہندوستانیوں میں پھوٹ کا یہ فتنہ کھڑا کر دیا -

سر انٹونی میکڈانلڈ نے جو بعد میں لارڈ میکڈانلڈ کے لقب سے ملقب ہوئے - اپنی لفٹنٹ گورنری کے زمانہ میں حکم دیا - کہ U.P. میں اردو کے پہلو بہ پہلو ناگری بھی رائج کر دی جائے - اس زمانہ میں ایجی ٹیشن یا نکتہ چینی کا تصور بھی لوگوں کے دلوں میں لرزہ طاری کر دینے کیلئے کافی تھا - نواب محسن الملک مرحوم نے انٹونی میکڈانلڈ کے فیصلے کے خلاف آواز بلند کی تو انہیں وہ ڈانٹ بتائی گئی کہ انہیں اردو کا جنازہ کندھا دئے بغیر ہی لکھنؤ سے ہجرت کرنی پڑی - غرض ہندوؤں کو مسلمانوں سے لڑانے کی پہلی ترکیب یہ تھی - یو.پی. سے مخالفت کی رو پنجاب پہنچی - ان دنوں پنجاب اردو کا گڑھ تھا قاعدہ ہے کہ جب انگریز ہندوستانیوں کے مفاد کو تباہ کرنے کا بیڑہ اٹھاتے ہیں - تو چند ایک بد باطن ہندوستانی بھی انکے مدد معاون بن جاتے ہیں - چنانچہ جب انگریزوں نے اردو کو مٹانے کا تہیہ کیا - تو چند ہندو بزرگ انکے ہم آہنگ بنکر میدان عمل میں کود پڑے - بنارس میں ناگری پرچارنی سبھا کے نام سے ایک انجمن قائم کیگئی - جسکا مقصد یہ تھا - کہ اردو کی رگ کھینچی جائے - پنجاب میں بھی یہ کام سر پی سی چٹرجی اور بعض متعصب ہندوؤں نے انجام دینا شروع کیا -

غرض بڑے زور و شور کا پروپیگنڈا شروع ہوا - بلطائف الحیل اردو کو مٹانے اور ہندی اور ناگری کو اسکی جگہ رائج کرنے کا

کام شروع ہوا - اس سے اصل غرض یہ تھی کہ مسلمان اپنی آبا و اجداد کی روایات کو بھول جائیں - اس ناپسندیدہ کار روائی کے ضمن میں تمام ہندو مطعون نہیں کئے جا سکتے ـــــ

اردو اپنی لطافت اور رنگینی کے باعث ایک عالمگیر حیثیت حاصل کر چکی ہے - ہندوستانی گئے ہوئے ہیں جو اثر و رسوخ انکا ہے اس سے قطع نظر اردو دنیا کے ہر حصے میں پہنچ جاتی ہیں - اسکے سمجھنے اور بولنے والے ضرور تھوڑے بہت پائے ہی جائینگے - برما میں بھی اردو بولی جاتی ہے انگلستان میں بھی اردو کے عشاق کی تعداد ترقی پذیر ہے - سارا عرب بھی اردو سمجھا اور بولی جاتی ہے ـــ یاد رکھو اگر ہندوستان میں اتحاد متحدہ قومیت کی درحقیقت ضرورت ہے تو اسکے لئے قومی زبان کا ہونا سب سے زیادہ ضروری ہے - اور وہ قومی زبان صرف اردو ہی ہو سکتی ہے - لہذا ضروری ہے - کہ ابنائے قوم یہ کام چھوڑ کر اسی کیطرف متوجہ ہوں - مہاتما گاندھی بھی اسکو تسلیم کر چکے ہیں - کہ متحدہ قومیت کی سب سے بڑی قوت عاقدہ وحدت لسانی ہے اور وہ اردو کی ہمہ گیری کے معترف ہیں -

مسلمانوں کے بڑے دشمن تیج - ملاپ - پرتاپ - ہندو - اردو ہی میں شائع ہوتے ہیں - ان سے ذرا کم مخالف اسلام بندے ماترم بھی اردو ہی میں چھپتا ہے - سوامی شردھانند آنجہانی نے ایک بار کوشش کی تھی کہ اپنے اخبار کو اردو کی بجائے ہندی میں چھاپیں - انہوں نے اردو کا اخبار بند کر دیا - اور ہندی کا شروع کر دیا - نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہفتے کے اندر اندر ہی ٹاٹ الٹ گیا ـــــ

کانگرس کے اندر چلے جائیے - وہاں اکثر تقریریں انگریزی میں ہوتی ہیں - کامل عبور والے اعلی اور فصیح انگریزی بولتے ہیں کہ ان پر اہل زبان کا گمان ہوتا ہے ـــ سوال یہ ہے - کہ جو قوم معمولی سی محنت سے انگریزی زبان میں ید طولی حاصل کر سکتی ہے کیوں وہ اردو کی ترقی کا باعث نہیں ہو سکتی - ہندو اخبارات سے اکثر سوال کیا گیا ہے - کہ جب تم ہندی کے اسقدر حامی ہو - تو اپنے اخبارات اردو میں کیوں شائع کرتے ہو - اس پر جواب دیا گیا ہے کہ اس سے ہمارا مقصد اردو کو ترقی دینا ہرگز نہیں - بلکہ اسے غلط ملط لکھکر اسکا ستیاناس کرنا ہے ـــ اللہ اللہ اس زبان کو تباہ کرنے کے کیسے کیسے وسائل اختیار کئے جاتے ہیں - حکومت سیاسی اغراض کے زیر نظر اسے زک دے رہی ہے - اردو حامی بھی اور

شردھانند کی امت اسے ہندوستان بدر کرنے کے منصوبے باندھ رہی ہے - اگر باوجود اسکے اردو روز بروز ترقی کر رہی ہے - تو یہ اسکی اپنی خوبی ہے ——

عزیزان من! کیا اس جلسے کے انعقاد کا مطلب صرف اسقدر ہے - کہ یہاں پر مختلف افراد تقاریر کریں اور آپ مزے لے لے کر سنتے رہیں - اور پھر گھر جا کر سو رہیں - یاد رکھو اگر اردو مٹ گئی تو اللہ اکبر کا وہ نعرہ جو یہاں لگایا جاتا ہے اسے آپ نہ لکھ سکینگے - اگر رسم الخط مٹا دیا گیا تو قرآن کریم کی آیتوں اور کلمہ طیبہ کا لکھا جانا ناممکن ہو جائیگا - لہذا ضرور ہے - کہ ترقی اردو کیلئے سارے صوبے کا دورہ کیا جائے - شہر شہر اور قصبے قصبے میں انجمنیں قائم کی جائیں - اخبارات میں مخالف پروپگنڈے کا مدلل اور منہ توڑ جواب لکھا جائے - اور جب تک اردو کو ہندوستان کی مشترکہ زبان منظور نہ کرا لو - اپنے اوپر خواب و خور حرام سمجھو - "ختم"

Pan Islamism

Pan Islamism کی ترکیب اردو لغت و اشتقاق زمانۂ حال کی ایجاد کی ہے۔ اس اصطلاح کے تراشنے والے مسیحی سیاست دان تھے۔ اور ان بزرگواروں کا مقصد اس کے گھڑنے سے یہ تھا۔ کہ رو بہ انحطاط اسلامی سلطنتوں کے حصے بخرے کرنے کے لئے انہیں ایک عیارانہ بہانہ ہاتھ آسکے۔ چنانچہ پان اسلامزم کو ہر کسی نا کسی ان معنوں میں استعمال کرنے لگا۔ کہ مسلمانان عالم نے آپس میں ایک بہت بڑا عظیم الشان جتھا اس غرض سے قائم کر رکھا ہے۔ کہ مسیحیت کو ایک زبردست و توانا سیاسی قوت ہونے کی حیثیت سے مٹا دیا جائے جب کبھی طرابلس یا مقدونیہ کا لقمہ تر مسیحیت کے معدہ کی تواضع کرنے کے لئے مجبور تھا۔ پان اسلامزم ایک چبھتا ہوا فقرہ ہونے کے لحاظ سے ایک نہایت ہی مفید حیلہ بنا ہوا۔ مسیحی دنیا کے سورما اسی حیلے کی مدد سے اُن متعصبانہ تاثرات کو جنہیں تعصب نے اندھا کر رکھا ہے۔ ایک خیالی خطرے کا احساس کرا سکتے تھے جس کا امکان بھی اس امر کا مستلزم تھا۔ کہ مسلمانوں کے مال و املاک پر قبضہ کر کے انہیں انکے گھروں سے قطعاً بے دخل کر دیا جائے۔ جب دول یورپ تقطیع و تقسیم کے دوگانہ عمل سے مسلمانوں کی سلطنتوں کا تیا پانچہ کر چکے۔ اور باقی ماندہ اسلامی حصوں کو بھی خطرے کی نذر میں لا چکے تو کچھ عرصہ کے لئے پان اسلامزم کے پیش پا افتادہ مضمون پر مزید طبع آزمائی کرنے کی ضرورت سے ایک حد تک مستغنی ہو گئے۔ لیکن جب سے کمال پاشا نے ترکی کو۔ رضا شاہ نے ایران کو۔ امیر فیصل نے عراق کو ظاہر شاہ نے افغانستان کو اور نحاس پاشا نے مصر کو اخوتِ باہمی کا بھولا ہوا سبق یاد کرانے کی طرف توجہ کی ہے۔ ہم پھر اس لفظ کو کہیں کہیں سن رہے ہیں۔ اور حیرت سے غیر زیادہ تر ہندوؤں کی اسی بے برگ و بار ترنم سے سن رہے ہیں۔ جو نہ تو خود کسی سلطنت کے مالک ہیں اور نہ ہی مسلمانوں کی کوئی سلطنت دیکھنا گوارا کر سکتے ہیں۔ انکی مثال یقیناً اس کنیز عورت کی سی ہے۔ جو یہ دعا کرتی رہتی تھی کہ یا خدا تمام عورتیں کنیزیں ہو جائیں ——

پان اسلامزم کے تصور کو اگر اس لبادۂ شر سے پاک کر دیا جائے۔ جو مغرب کی خباثت نے اسے بالعموم پہنا رکھا ہے اور اسکا دین الملک کے عام معنوں میں برتا جائے۔ تو پان اسلامزم کوئی نئی تحریک نہیں۔ بلکہ قدامت میں اسلام کی ہمسر ہے۔ پان اسلامزم کا پہلا سبق قرآن مجید نے یہ کہہ کر دیا تھا کہ کل مومن اخوۃ۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پان اسلامزم کی جو تعریف فرمائی ہے

وہ کبھی کسی سے ہمکنار نہ ہوگی۔ حضور اقدس کا ارشاد مبارک ہے۔ کہ دو مسلمان ایسے ہیں بمنزلہ دو ہاتھوں کے ہیں جو ایک دوسرے کو
دھوتے ہیں۔ اسلام نے جس عالمگیر اخوت کی بنیاد ڈالی وہ ایک اخلاقی قوت ہونے کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے۔ پان اسلامزم یا
پان جرمنزم اور اسی قماش کے اور بہت سے ازم قبائلی اور نسلی دیگوں کے محض مختص المقام ابال ہیں۔ اخوت اسلامی یا بالفاظ
دیگر پان اسلامزم نسل و رنگ کے اعتبارات سے بالاتر اور جغرافیہ کی قیود سے مبرا اور آزاد ہے۔ اس ہمہ گیر اور ہمہ رس برادری میں
دنیا کی تمام اسلامی آبادیاں اپنی جغرافیائی امتیازات کو ختم کر دیتی ہے۔ اور اس انضمام سے ایک قوم واحد بن جاتی ہے۔
جسکا قومی نام "مسلم" ہے۔ مسلمان جہاں کہیں بھی ہو وہ سب سے پہلے مسلمان ہے اسکے بعد ہندوستانی۔ یا ایرانی یا افغانی یا ترک
یا عرب وغیرہ۔ اسکا پہلا گھر مکہ ہے۔ دوسرا مدینہ۔ اور اسکے بعد ہندوستان یا ایران یا ترکی یا کچھ اور۔
مسیحی مصنفوں کی زبان قلم کو تو کوئی روک نہیں سکتا۔ الزام اب بھی جو جی چاہے لگائیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ باوجود ان
تمام ناگوار حالات کے جو لگاتار سینکڑوں سال سے دنیائے اسلام پر نازل ہیں۔ پان اسلامزم کا مقصد مسیحی دنیا کے خلاف کسی غاصبانہ دستبرد کی
تیاری نہیں۔ بلکہ اسکی غرض صرف اسقدر ہے۔ کہ مسلمانوں کے پاس انکی ہزار سالہ سلطنت کا جو تھوڑا سا حصہ صلیبیوں کی
دراز دستی سے بچ رہا ہے۔ اسے محض مدافعانہ تدابیر اختیار کر کے مزید انقراض و انقطاع سے محفوظ رکھ سکیں۔ مدافعت اور
محافظت کا یہ کام ترکی کو اب تک تن تنہا انجام دینا پڑا ہے۔ لیکن آئندہ ایسا نہ ہوگا۔ اسلام کی حریت پر مسیحی یورپ کا
متفقہ حملہ اور مسلمانوں کے رہے سہے مقبوضات کو ہتھیانے کے لئے دول مغرب کی خفیہ اور علانیہ ریشہ دوانیاں تمام ایسے
واقعات نہیں ہیں۔ جو مسلمانوں کے دلوں سے آسانی سے محو ہو سکیں۔ اسی لئے اب وہ اس قصد کی نوعیت پر غور کر رہے ہیں۔ کہ
نرمی و گرمی ہر حال میں اپنے باہمی تعلقات ایسے رکھیں جیسے گوشت اور پوست میں ہوتے ہیں۔ اور اپنے پیغمبر عالی مقام کے اس
ارشاد مقدس کو مدنظر رکھکر کہ المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضاً۔ جہاں تک ان سے بن پڑے باہمی اتحاد کو تقویت دیں
ترکی یا ایران۔ یا افغانستان یا عراق یا مصر وغیرہم کی فنا تمام اسلامی ممالک کی ہلاکت کا پیش خیمہ ہے۔ ہمارے صلیب نواز دوست
ان تحریکوں سے خواہ مخواہ خائف نہ ہوں۔ ان تحریکوں میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ جس سے انکے خائف ہونے کا جواز نکل سکے۔ مروجہ بات یہ ہے۔ کہ اسلام دنیا کو
(82) سیاسی ارتقا کا ایک عنصر عظیم بنکر دینا چاہتا ہے۔ وہ اس اصول کا اعلان کرتا رہا ہے۔ کہ "زندہ رہو اور زندہ رہنے دو"

لالہ و گل کی بہار سے جب بہ الفاظ شاعر گلشن میں آگ لگنے کا وقت آتا ہے ۔ تو قدرت اپنی منقل افروزیوں کیلئے کسی ظاہری گلخن کے آتش بار دستی محتاج نہیں ہوا کرتی ۔ بلکہ آنی آن دیکھو اور آن پیچھے شرارے کو صلائے رقص عام دیتی ہے ۔ جسکے تبسم کا راز قوت نامیہ ہی کی حرارت آلود لبوں میں چھپا ہوتا ہے ۔

قوموں کی زندگی بھی اسی بہاریہ ہیجان کا ایک وقت حاصل ہو رہا ہے ۔ جو اس دور افسردگی کی وہ کیفیت جو ذرا سیوں میں انقلاب فراق کے وقت ۔ جاپانیوں میں روس کی دست و گریباں ہونے کے وقت پیدا ہو گئی تھی ۔ بلحاظ ان اٹل قوتوں کے جو اسکے نمودار ہونے کی تحریک مدتوں سے کر رہی تھیں ۔ اسی ساعت موعود میں ظاہر ہونا لازمی تھی جسمیں وہ بروئے کار آئی ۔ یہی وہ حقیقت ہے جسکا چہرہ کشا یہ عربی کا مختصر سا جملہ ہے ۔ "کُلُّ اَمرٍ مَرهُونٌ بِاَوقَاتِهَا" ——

اسلام میں بھی ایک دفعہ بہار آئی تھی اور اسی انداز سے آئی تھی ۔ وہ پھر وہ ماہ تاب سی ہو گئے تھے ۔ اور ایمان کی بھی دنیا میں جو شگوفہ کاری نظر آ رہی ہے ۔ وہ اسی غنچہ حقیقت کی ایک جھلک ہے ؟ بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے + یہ پیوند اسی کی لگائی ہوئی ہے

لیکن اسلام کی زیست کا تعلق بھی اگر روما اور کارتھیج اور ایتھنز کی طرح ہوتا ۔ جو زندگی کی چند بہاریں دیکھ کر ہمیشہ کی نیند سو چکے ہیں ۔ تو اسلام کب کا مٹ چکا ہوتا ۔ اور سطوت کبریٰ نے اس ہمہ گیر جلال و جبروت کے بعد جسکی یاد سے اندام عالم پر ابھی تک لرزہ طاری ہے ۔ اسلام کی عظمت کا زندہ رہنا محال تھا ۔ لیکن وہ کلیہ کلیہ ہی نہیں جسمیں استثنا ہو مسلم جو شاعر کی اصطلاح میں خدا کا آخری پیغام ہے ۔ اپنی ہستی کیلئے خون اور زبان اور وطن کی تنگ قیود کا شرمندۂ احسان نہیں ۔ اسکی ہستی کا پھیلاؤ تمام فضائے عالم پر منطبق ہے ۔ اسکی سرگرمی کی جولانگاہ تمام کائنات ہے

میں ہوں مسلم آسماں کی چھت ہے میری چاندنی + ہے عرب سینگ سری اور ہے عجم آنگن مرا
میں مسلماں ہوں میری بستی ہے ساری کائنات + مکہ ہے مولد مرا ہندوستاں مسکن مرا

وہ شرقی غربی کے چھوٹے امتیازات سے بالا ہے ۔ اسکا امتیاز لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا پُر غرور نعرہ ہے جو یورپ اور ایشیا امریکہ اور افریقہ ہر جگہ اسکی پیشانی کی زینت ہے اسی لئے زمانہ عظمت و جلال کا تاج اپنے ہاتھ میں لئے

اس انتظار میں ہے - کہ اسکا اشارہ پانی ہی اسکے سر پر رکھ دے - پھر اسکو امویوں یا عباسیوں - یا سلجوقیوں یا مغلوں کے زوال سے کیا اندیشہ ہو سکتا ہے - وہ دوسری قوموں کیطرح ایک ہی بہار کا فیض یافتہ نہیں جسکے بعد خزاں کی ابدی افسردگیوں کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے - بلکہ اسکے لئے چمن بند قضا نے ہزاروں بہاریں نئی نئی رنگینیوں کے ساتھ اپنی سرمدی گلزار میں ودیعت کر رکھی ہیں - وہ بجا طور پر کہہ سکتا ہے "ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام - ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام" -

اسمیں شک نہیں کہ قانون بقا و فنا کی وہ استثنائی شق جو مسلم کے زندہ و پائندہ ہونے کی کفیل ہے - اپنی اثرات کے لحاظ سے اعتبار کے لوح و قلم کے مالک کے ہمارے آقا و مولا کی خاص ہی خاطر منظور تھی - ہ اس شق کو جاری قرار دیا - اسلئے اسوقت تک کہ جبکا آنا اٹل ہے - اور جو معلوم کب وقت آجائے مسلم اپنی تمام پوشیدہ اور غیر محدود قوتوں کے ساتھ دنیا کی قسموں کا فیصلہ کر دینے کا اہل ہے - اس گنج شایگان کی بدولت جو اسکے آقا و ولینعمت کی شان رحمۃ للعلمین نے اسکے لئے ترکہ میں چھوڑا ہے مسلم دونوں جہانوں کے خریدنے پر قادر ہے - کوئی طاقت اسکو مٹا نہیں سکتی - کوئی قوت اسکا خاتمہ نہیں کر سکتی اسکا مقابلہ خدا کے آئین اور قدرت کے قوانین کا مقابلہ ہے -

قرنوں کی شمشیر زنی اور صدیوں کی دماغی جل جلن کے بعد بمقتضائے بشریت اس متحرک اسلامی کل کے پرزوں میں تھوڑی بہت فرسودگی لازمی تھی - ضرور تھا کہ تھکا ہوا مسافر کچھ دیر کے لئے سستا لے - اور تازہ دم ہونے کیلئے اپنے آپکو وقف استراحت کر دے - وہ تکان دور کرنے کیلئے لیٹا - اور اسکی آنکھوں میں غنودگی آگئی غنودگی جبدل بخواب گران ہو گئی اور حریف نے خاکش بدہن خیال کر لیا - کہ یہ نیند موت کی تمہید ہے - لیکن اہل عالم اسکا حقیقت کو باوجود اپنی برق پا فلسفہ اور باوجود اپنی فلک پیما تخیل کے نظر انداز کر دیا - کہ مسلم اور موت دو متضاد تصورات ہیں جبتک دنیا میں قرآن کریم موجود ہے - اور جبتک قرآن پر دل سے ایمان لانے والا اور سچائی سے عمل کرنے والا ایک بھی مسلمان موجود ہے - اسلام اپنی مادی سطوت اور روحانی قوت کے ساتھ زندہ ہے - یہ پروردگار عالم کا وعدہ ہے -

اور پروردگار عالم کے وعدے ٹلا نہیں کرتے —

اس گہری نیند سے تو مسلم کا جاگنا مقدر ہی نہ تھا۔ صبح ہو چکی تھی۔ آفتاب دیکھیے افق سے جھانکنے کی تیاریوں میں مصروف تھا
مسلم کی خوابگاہ کو اسکی شعاعیں اپنی سنہری کرنوں میں محو طلوع دینے کا سامان کر رہی تھیں لیکن سوال یہ تھا۔ کہ آیا اسکے
اٹھتے اٹھتے اتنا وقت باقی رہ جائیگا۔ کہ وہ سجدے جو اسکی ناصیہ نیاز میں تلملا رہے ہیں۔ الصلوٰۃ خیر من النوم کے
نعرۂ جانفزا کا خیر مقدم کر سکینگے اور اب زوال حقیقت آگاہ کو یہ اشتیاق نکتہ نہ دھرانا پڑیگا کہ۔ "سجدہ مکن بپا روا چون افتاد اعدا [illegible]"
نماز فجر کیلئے ہارون الرشید کو اسطرح جگایا جاتا تھا۔ کہ ایک کنیز سرکہ میں اسفنج ڈبو کر امیر المومنین کے منہ کے قریب
لیجایا کرتی تھی۔ اور یہ حدت اندوز لخلخہ اس عباسی تاجدار سے ایک چھینک کا خراج وصول کر کے بیداری کا قبالہ اسکے حوالہ کر دیا
کرتا تھا۔ مسلم نے چونکہ دولت و ثروت کی انہیں پر تکلف روایات کی گود میں پرورش پائی ہے۔ اسلئے اسکو بھی
جگانے کیلئے کسی ایسے ہی لخلخہ کی ضرورت تھی۔ سرکہ تو باقی نہ تھا۔ اسلئے کہ خلافت عباسیہ کے زوال پر جو تھوڑا بہت
بچ چکا تھا۔ وہ زمانہ کی ابروں میں جذب ہو چکا ہے۔ البتہ اسکے بجائے خون اور آنسو کافی تعداد میں کچھ تھے
اور چونکہ ان دونوں کی آمیزش سے جو لخلخہ تیار ہوا ہے۔ وہ مسلم کو ابراہیم حنیف کے جگر گوشہ کے جہاد اور علی مرتضیٰ کے
نور عین کے وقت سے مسلم کو نہایت کامیابی کے ساتھ بیدار کرتا چلا آیا ہے۔ لہذا اب بھی اس خالق اکبر نے جسکے
ذمہ اسلام کا تحفظ اور لبق ہے۔ اپنے دین کی تقویت کے لئے اسی نسخہ کو استعمال کرنا مناسب سمجھا۔ اور مسلم کو
جگانے کیلئے لخلخہ سنگھانے کی خدمت پر یورپ کو مامور کیا۔ جسکے نواسے کے خون کی بو مسلم کو پہلے بھی بیدار کر چکی ہے
آل عباس کے انحطاط نے اسلام کی مرجھائی ہوئی کھیتوں کو پہلے بھی سینچا ہے۔ یہ خون اور یہ آنسو دشمنان اسلام نے پیمانہ
جفا میں طرابلس اور بلقان کے میدانوں میں چھلکائے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو نہ دہرائے اور
یزید نے حضرت سید الشہدا اور انکے رفقا کے ساتھ جو سلوک کیا وہی سلوک یزید کی معنوی ذریات یعنی اہل یورپ
حضرت سید الشہدا کے نانا کے غلاموں کے ساتھ روا نہ رکھیں۔ اور کوئی وجہ نہیں۔ کہ سنت ابراہیمی
اور شیوۂ محمدی پورا نہو۔ اور اسلام کو پھر تازہ حیات جاوید نہ بخشے۔ —

مسلم اپنی نیند سے جاگ چکا ہے۔ اور وضو کیلئے ڈوپ اسکے خواب کا ایک جگ اور ان کے آنسوؤں کا ایک بین اسکے آگے پیش کر چکا ہے۔ وہ اس برکت آبِ حیات سے سیرنا اور طرابلس کے میدانوں میں طہارت کر کے اپنے رب کے آگے سجدہ ریز ہو کر یہ دعا مانگ رہا ہے۔ الٰہی اسکو (اسلام کو) انہی حیاتِ تازہ سے سرفراز فرما جو کبھی فاروق اعظم اور علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہما) کے زمانہ اسکا حصہ تھا ———

ایک ایڈریس خطبۂ صدارت جو پڑھا نہیں گیا۔

برادرانِ اسلام

میں آپ حضرات کی اس کرم گستری اور عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جو آپنے اس عظیم الشان جلسہ کی صدارت مجھے تفویض فرما کر ظاہر فرمائی ہے۔ میں محض اپنے نفس کی خاطر نہیں بلکہ حقیقت نفس الامری کے طور پر اعلان کرتا ہوں۔ کہ میں اس اہم ذمہ داری کیلئے ہرگز اہل نہ تھا۔ مگر محض خدائے قدوس کے فضل و کرم اور آپکے اعتماد اور توجہ پر بھروسہ کرتے آپکے ارشاد کی تعمیل کو حاضر ہو گیا ہوں ———

میرا روئے سخن اسوقت حلقہ بگوشانِ ملت بیضا کی طرف ہے۔ جو بکے بے بہا اور اپنا سکہ کے نشہ میں سرشار ہیں۔ اور اس دلنشین حقیقت سے آشنا ہیں۔ کہ تمام مذاہب دنیا کی روح حضرت اسلام ہے۔ آپ حضرات سے اس حقیقت کو اور کون بہتر جانتا ہوگا۔ کہ صبح تمدن سے لیکر اس وقت تک کہ آفتاب تہذیب نصف النہار پر پہنچ چکا ہے۔ انسان نے ذاتِ باری ادراک کے لئے جو کوششیں کیں انکا خاتمہ اسی اسلام پر ہوتا ہے۔ جس نے "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" کا مژدۂ جانفزا سنا کر خدا شناسی اور نیز دل طلبی کی مزید ضرورتوں سے کلیۃً مستغنی کر دیئے خداوند کا رشتہ بندوں کے ساتھ مضبوطی سے جوڑ دیا۔ آقا اور بندے کے درمیان رشتہ استوار کرنے کا سلسلہ اسوقت سے جاری ہے۔ جب پروردگار عالم نے "کن" کے فرمان واجب الاذعان سے عالم ہستی کو ایک ناپیدا کنار گرداب تغیر کی شکل سے نکالکر جذب و دافع کی زنجیر میں جکڑ دیا۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ مختلف انبیاء کرام

انسان نے خود اپنی عرفان میں یزداں شناسی کی چنگاریاں ڈالنی تھی - اور جب ترقی کے وہ تمام مدارج طے کرکے جو کائنات کے ہر ذی حیات فرد کو بلوغ تک پہنچنے کیلئے لازمی طور پر طے کرنے پڑتے ہیں — انسان اپنی منتہائی شباب کو پہنچ گیا اور اسکے تمام ذہنی اور روحانی قوا اس قابل ہوگئے کہ اسے ایک کامل اور بے عیب مذہب کی نعمت عطا کرکے اشرف المخلوقات کا مصداق صحیح بنایا جائے - تو جناب باری تعالٰی کی رحمت کاملہ اور حکمت بالغہ نے نبوت کو دلفریب ترین سانچے میں ڈھالکر محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل میں ظاہر کیا —

حضور سرور کائنات نے جو جناب باری کے فیوض لدنی کے مظہر اتم ہیں - اپنے پاکیزہ ترین اخلاق اور مکمل ترین زندگی کے ذریعہ گنتی کے چند سالوں میں جو قوم کی اجتماعی زندگی کیلئے چند لمحوں کا حکم رکھتے ہیں - جس کامیابی ساتھ ملت بیضا کی اشاعت فرمائی - اسکی نظیر دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی - اس ازلی صداقت اور ابدی حقیقت یعنی خدائے بزرگ و برتر کی وحدانیت کا پیغام اگلے زمانے کے انبیاء کرام کی زبانی بھی خلق خدا کے خاص خاص طبقوں اور خاص خاص گروہوں کو پہنچا تھا - لیکن محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی آواز میں کچھ اور ہی اثر تھا - ہمارے آقا کے دہن مبارک سے اس پیغام کا نکلنا ہی تھا - کہ مشرق و مغرب میں ایک کھلبلی سی پڑ گئی قیصر و کسریٰ کی دیواروں میں زلزلہ پڑ گیا - بتکدوں میں کہرام مچ گیا - آتش کدے سرد ہوگئے — جن جنہوں نے اس پیغام حق التیام کو سنا - وہ بادل کی گرج اور بجلی کی چمک کے ساتھ بڑھے - اور چشم زدن میں دنیا کے تین براعظموں میں پھیل گئے -

جنکو کافور پہ ہوتا تھا نمک کا دھوکا — بنگئے خاک کو اکسیر بنانے والے !

پیشوائی کو نکل آئی خدائی ساری — گھر سے نکلے جو محمد کے گھرانے والے !

بات کیا تھی کہ نہ روما سے نہ ایران سے دبے — چند بے تربیت اونٹوں کے چرانے والے !

اسلام کا علم بہزاراں رفعت و شان عالم مسکون پر لہرانے لگا - خدا کی سچائیوں کے نور سے مشرق و مغرب جگمگا اٹھے اور بحر اوقیانوس سے لیکر بحر الکاہل تک لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ترانہ جانفزا دنیا کو سنائی دینے لگا -

آج دنیا اسلام کی اشاعت کو تلوار کے ساتھ مشروط ثابت کرنے کی لاحاصل کوششوں میں مصروف ہو۔ تو ہو۔ لیکن وہ جنکی آنکھیں تعصب کی پٹی سے بالکل اندھی نہیں ہوگئیں۔ خوب جانتے ہیں۔ کہ اسلام کو موسویت یا مسیحیت یا بدھ ازم کیطرح کبھی سلطنت کی آغوش میں پرورش پانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ رسول اللہ ؐ جب اول اول برسوں تک مکہ اور مدینہ میں سر چھپاتے پھر رہے تھے۔ تو کیا اسوقت بھی اسلام دولت واقبال کی گود میں پرورش پا رہا تھا۔ خلافت عباسیہ کی سطوت وجبروت کا آفتاب جب نصف النہار پر پہنچنے کے بعد ڈھلا۔ اور مغلوں نے اسے ہمیشہ کیلئے خاک و خون میں چھپا دیا۔ تو خود مغلوں کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کیلئے کونسی سلطنت بروئے کار آئی تھی۔ روس اور سماٹرا۔ ملایا اور چین اور افریقہ میں اگر ملت بیضا کی روشنی نظر آتی ہے۔ تو کیا یہ بھی کسی پولیٹکل سورج کی کرن ہے۔ ہندوستان میں 1857 اور 1931 کی مردم شماریوں کے درمیان مسلمانوں کی تعداد میں جو کروڑوں کا اضافہ دکھائی دے رہا ہے۔ وہ کونسے غزنوی کی تلوار کا نتیجہ ہے۔ یورپ۔ امریکہ اور جاپان میں مسلمانوں کی روز افزوں ترقی کونسی اسلامی (سلطنت) حکومت کی رہین منت ہے۔ مارما ڈیوک پکتھال۔ سر عمر۔ لیو نیٹ لیوپولڈ والس۔ کرنل ہاتھورن۔ خالد لطیف گابا۔ ڈاکٹر رشید الدین کو کونسی تلوار نے گھائل کیا۔ یقیناً یہ دھات کی تلوار نہیں تھی۔ بلکہ حقانیت وصداقت کی تلوار تھی۔ اخوت وجمہوریت کی تلوار تھی۔ جو ہر روز اور ہر زمانے میں متلاشیانِ حق کو گھائل کرتی رہی۔ اور انشاءاللہ تا ابدالآباد تک کرتی رہیگی۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے۔ کہ اسلام کا پیغام ہر غیر مسلم کے پاس تبلیغی سپرٹ سے پیش کیا جائے۔ بدقسمتی سے اشاعت اسلام کا یہ اہم ترین فریضہ مسلمان بھول بیٹھے ہیں۔ اور وہ پیغام جو انہیں اُن کے آقا نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر دیا تھا۔ پس پشت ڈال بیٹھے ہیں۔ اس کام کو انجمن اسلامیہ جموں کو خاص طور پر ہاتھ میں لینا چاہیئے۔ اسکے ساتھ ہی میں انجمن کو اس فتنۂ آخر زمان جو مرزائیت کی شکل میں نمودار ہو رہا ہے۔ کی سرکوبی کے لئے بھی پوری سرگرمی اور جوش کے ساتھ میدان میں نکل آنے کی دعوت دیتا ہوں۔ ——

مسیلمہ کذاب - اسود عنسی اور ابن صباح کے قادیانی بلد بندہ کی وہ بو قلموں سیاسی اور تبلیغی سرگرمیاں جن پر ایک
لنگاجمنی مصلحتوں کا پردہ پڑا ہوا تھا - اپنی پوری فتنہ سامانیوں اور محشر خیزیوں کے ساتھ واشگاف ہو چکی ہیں -
مسلمانوں کے متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے نت نئے منصوبے باندھے جا رہے ہیں - انکی پیٹری روایات اور مجازی امیال و
عواطف کو فنا کر دینے کی شرمناک تدابیر سوچی جا رہی ہیں - اسلام کے اس پیکر جلال کو جسکی ایک گردش چشم کبھی نظام عالم کو
درہم برہم کر دینے کی قابلیت رکھتی تھی - بہشتی مقبرے میں ہمیشہ کیلئے دفن کر دینے کے مشورے ہو رہے ہیں - کبھی
سیاست کی رو سے کبھی تبلیغ کے ڈھنگ سے کبھی اصلاح کی رنگیلی قبا زیب تن کر کے مسلمانوں کو دھوکا دینے کی
کوشش میں لگی رہی ہیں ــــــ مسلمانو! خبردار ہو جاؤ اس وقت شر ھیکل اسلام میں اور کوئی فتنہ نہیں کیا ہے
قادیانیوں کی تبلیغ گمراہی و ضلالت کی تبلیغ ہے - ریاکاری و عیاری کی تبلیغ ہے - دجل و زور کی تبلیغ ہے
بھولیا وقت نہیں آگیا - کہ مسلمان اس ضال مضل فرقہ کو حرف غلط کی طرح مٹا ڈالنے کیلئے میدان عمل میں نکل آئیں
جو دین حنیف کیلئے ایک مستقل خطرہ ہے - اور جسم اسلام کو گھن کی طرح اندر ہی اندر کھا رہا ہے ــــ
کشمیر کے اندر سرکار انگریزی کے اس خود کاشتہ پودے نے جو کچھ کیا - وہ آپ سے مخفی نہیں - اور میں اسکے اعادے سے آپکا وقت
ضائع نہیں کرنا چاہتا - یہ انہی خدمات کا صلہ ہے کہ بابای قادیان اور اسکی جماعت چشم و چراغ ظفر اللہ ایسی
زقند لگا کر وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل کے ممبر بن گئے - ورنہ ان جیسے ہزاروں بیرسٹر عدالتوں میں جوتیاں چٹخاتے
نظر آتے ہیں - اور کوئی انہیں گھاس تک نہیں ڈالتا - یہ ایک حقیقت ہے - کہ حکومت انگریزی اپنی اس چہیتی امت کو
اپنی مستعمرانہ اغراض کا بہترین مبلغ سمجھ رہی ہے - اس امت ملعونہ نے جسم اسلام پر وہ کاری چرکے لگائے ہیں
جنکی یاد مسلمانوں کے دلوں سے صدیوں محو نہیں ہو سکتی - بھلا یہ تو بتاؤ - کہ جو جماعت ترکوں کی شکست پر
چراغاں کر کے ایک دوسرے کو مبارکباد کے تار ارسال کر سکتی ہے - افغانستان کی بربادی پر جو شادیانے بجا سکتی ہے -
مسلمانوں کی بربادی انکی ہواؤں اور شعلوں کی آہ و بکا پر جشن مسرت منا سکتی ہے - ۲ اگست ۱۹۱۷ کو مسجد و نیں

مسلمانوں کی شکست کیلئے دعائیں مانگ سکتی ہے۔ اُن سے کسی خیر کی امید رکھنا آگ سے ٹھنڈک کی توقع رکھنے سے
مترادف نہیں۔ تو اور کیا ہے۔ پس میرے عزیزو۔ اور میرے بزرگو آج اس محفل سے یہ تہیہ کرکے اٹھو کہ جب تک اس فتنہ کو
کلیتہً بیخ و بن سے اکھاڑ نہیں پھینکینگے۔ دم نہیں لینگے۔

مجھے یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی۔ کہ آپ کی انجمن کا مدرسہ پوری قوت کے ساتھ چل رہا ہے۔ اور گذشتہ سال نتائج کے
لحاظ سے ریاست میں امتیازی حیثیت حاصل کر چکا ہے۔ مجھے پوری امید ہے۔ کہ یہ تعلیمی کشتی جسکو کھینے کی خدمت آپ
جیسے شناورانِ بحرِ معارف نے اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ پوری مستعدی کے ساتھ چلتی رہیگی اور ہماری درماندہ قوم اس سے
پورا پورا فائدہ اٹھائیگی۔ یہ ہم پہ سب کچھ ہو جب صد ہزار شرم و ندامت ہے۔ کہ مسلمان جنہوں نے کبھی ظلمتکدہ یورپ میں
شمع علم روشن کی تھی۔ جنہوں نے وہاں کے وحشی باشندوں کو عروسِ علم سے ہمکنار کیا تھا۔ جنکو علم کی تلاش میں
چین جیسے دور و دراز ملک میں جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ آج علم سے اسقدر بیگانہ اور ناآشنا ہیں۔
غرناطہ اور کارڈوا کی یونیورسٹیوں کی سر بفلک عمارتیں آج بھی ہماری علمی جہاد کا پکار پکار کر اعلان کر رہی ہیں
یورپ جو آج علوم و معارف کا علمبردار سمجھا جاتا ہے۔ سپین کے ان مسلمان عالموں سائنسدانوں اور فلسفیوں کے آگے
زانوئے تلمذ تہ کر چکا ہے۔ جو تبلیغ کے طور پر وہاں گئے۔ اور آٹھ سو سال تک وہاں حکومت کرتے رہے۔ ابن ہیثم
البطن ابن الرشد . . . . . کے قائم کردہ اصول سائنس آج بھی سائنسدانوں سے خراج تحسین حاصل کر رہے ہیں
الغرض سائنس۔ فلسفہ۔ طبیعیات۔ اور دیگر ہر قسم علوم بہت حد تک مسلمانوں ہی کی آغوشِ علم میں پرورش
پرورش پا چکے ہیں۔ مگر مسلمانوں کی اپنی تاریخ سے عدم واقفیت نے انہیں یورپ کی ایجاد سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ
بہتوں نے تو انکا حاصل کرنا خلاف مذہب قرار دیا۔ آپ اس طوفانِ بدتمیزی سے کچھ بھی واقف ہونگے
جو ہندوستان کے جاہل مولویوں نے علیگڈھ کالج کھولنے کے وقت برپا کیا تھا۔ یہ جہالت و گمراہی کے ایسے ہی
مناظر تھے۔ جو کشمیر میں آج سے کچھ سال قبل دیکھنے میں آئے۔ جبکہ میرے والد محترم رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کو [illegible]

علوم جدیدہ کی تحصیل کیطرف توجہ دلائی اور اسلامیہ ہائی سکول کا سنگ بنیاد رکھا۔ خداوند تعالیٰ کا شکر ہے۔ کہ صبح کے بھولے ہوئے شام کو واپس گھر آگئے۔ اور بیشتر حد تک مسلمان زیور علم سے آراستہ ہو رہے ہیں۔ اگرچہ مجھے موجودہ طریقہ تعلیم سے کلیۃً اتفاق نہیں۔ تاہم جب تک کوئی دوسری مکمل سکیم ہمارے سامنے نہیں آجاتی۔ ہم اسی پر عمل کرنے پر مجبور ہیں۔ ایک چیز جسکا ذکر میں خصوصیت سے کرنا چاہتا ہوں۔ انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کا التزام بھی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے بچے انگریزی کی دو کتابیں پڑھکر مادر پدر آزاد ہو جاتے ہیں۔ اور فیشن پرستی اور لامذہبیت کی اسی رو میں بہہ چلتے ہیں۔ جو یورپ کو ہلاکت کیطرف سرعت کے ساتھ لے جا رہی ہے۔ اس درد کا علاج صرف یہ ہے۔ کہ انہیں مذہبی تعلیم کیطرف پوری توجہ دلائی جائے۔ مدرسے میں شعبۂ دینیات کو مستحکم کر دیا جائے۔ اور سالانہ ترقی دیگر مضامین کے ساتھ مشروط رکھی جائے۔ "لامذہبیت اور آزاد خیالی" اس وبا کا سدباب اگر ضروری طریق سے نہ کیا گیا۔ تو اسلام کا مستقبل ہندوستان میں درخشاں نہیں ہو سکتا۔

میرے تعلیم یافتہ نوجوانو! تم اپنی قوم کی پستی کا رونا رات دن پلیٹ فارموں پر روتے نظر آتے ہو۔ مگر کبھی تم نے اس پستی کا حقیقی سبب بھی معلوم کیا۔ کبھی تم نے یہ بھی سوچا۔ کہ ہم کیوں ذلت و نکبت میں گرفتار ہو گئے۔ ہم کیوں ذلیل و خوار ہو گئے۔ کیوں ہمارا ہر قدم بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے کیطرف پڑتا ہے۔ اگر اسکی تحقیق کرو گے تو میرے عزیزو! تمہیں وہی سبب نظر آئیگا۔ جو پیشنگوئی کے رنگ میں اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ "یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا" تم لاکھ انجمنیں بناؤ۔ لاکھ پروگرام بناؤ۔ مگر یہ سب کچھ بیکار و رائیگاں ہوگا جب تک اپنی دکھوں کی دوا اس ام الکتاب سے نہیں ڈھونڈتے جسکا نام قرآن مجید ہے۔ میرے عزیزو تم میں کافی ایسے ہونگے۔ جنکی میزوں اور الماریوں میں دنیا جہان کی کتابیں تو موجود ہیں۔ لیکن اگر کوئی کتاب مفقود ہے۔ تو یہی قرآن شریف۔ جنہیں قرآن کا سمجھنا تو درکنار۔ اسکے پڑھنے تک کی فرصت نہیں۔ جنہوں نے دنیوی وجاہت و عزت حاصل کرنے کیلئے شبانہ روز کتب بینی کرتے کرتے اپنی صحت بگاڑ لی۔ آنکھیں کمزور کر لیں۔ معدے سے جواب لے لیا۔ لیکن کبھی

مطالعہ میں کوئی کتاب نہ آئی - تو قرآن نہ آیا ـــــ

میرے عزیزو! تم ہی دراصل قرآن پڑھنے اور اسکے مطالب سمجھنے پر غور کرنے کے قابل ہو - علوم جدیدہ کی روشنی نے تمہارے دماغوں کو صیقل کر رکھا ہے - تم نے اُن سب علوم پر عبور کر رکھا ہے - جنکا جاننا فہم قرآن کیلئے ضروری ہے - اگر تمہیں رشنلزم نے فریفتہ کر رکھا ہے - تو تمکو بہتر سے بہتر رشنلزم کے اصول قرآن کریم میں نظر آئینگے - اگر تمہارا دماغ قانونی واقع ہوا ہے - تو قرآن تمکو تعزیری اور دیوانی کے وہ وہ اصول بتائیگا - جہاں بنتھم اور آسٹن کی نگاہ بھی نہیں پہنچی اگر مادی فلاسفی تمہیں از خود رفتہ کر رہی ہے - تو قرآن ایک ایک آیت میں تمہارے دماغ سے سیدھے سادھے الفاظ میں وہ باتیں پیش کریگا - جہاں ہیملٹن اور ہرسلے بھی نہیں پہنچے - الغرض زندگی کی کسی شاخ سے تمہارا تعلق ہو - قرآن تمہارا کامل رہنما اور حقیقی ہادی ہوگا -

آخر میں میں آپسے اسلام کے نام پر باہمی اتحاد و اتفاق کی اپیل کرتا ہوں - یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر مزید سمع خراشی کی ضرورت نہیں - قرآن کریم اور حدیث مبارک ایسے فرامین سے بھرے پڑے ہیں - جنمیں مسلمانوں کو باہمی اتفاق و اتحاد کی تلقین کیگئی ہے - کون ہے جسکو قرآن حکیم کے اس حکم سے سرکشی ہے "انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون" - کون ہے جو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ناواقف ہے کہ ـ ـ ـــــ ـ ـ (خدا اس وقت تک بندے کی مدد کرتا ہے - جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرے)

حضرات جسم اسلام صرف اسوقت تک صحیح طور پر کام دے سکتا ہے جب تک اسکے تمام اعضا ایک دوسرے کی تکلیف کو محسوس کریں - اور اسکا مداوا کرتے رہیں ـــــ "رابطہ باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں"

سلسلۂ دارالمصنفین کی "بزم تیموریہ" ——— مفتی جلال الدین صاحب سے عاریۃً لی گئی تھی -

اسکے عہد بعہد شعرا کے نمونے جمع رکھنے کے خیال سے - اسکی یہ باتیں لکھی جاتی ہیں -

"سلسلہ دارالمصنفین نمبر (۲۲)

"بزم تیموریہ"

یعنی ہندوستان کے تیموری بادشاہوں، شہزادوں اور شہزادیوں کی علم دوستی،

علما نوازی، اور انکے درباری شعرا فضلا اور دوسرے ارباب کمال کا تذکرہ

مرتبہ: سید صباح الدین عبدالرحمن ایم - اے

رفیق دارالمصنفین

باہتمام مسعود علی صاحب ندوی

مطبع معارف اعظم گڈھ میں چھپی

سنہ ۱۳۶۷ھ

۱۹۴۸ء"

نوٹ: والد صاحب نے صرف شعرا کے نمونے کتاب پر درج کئے ہیں ——— افسوس گنجائش باقی نہیں رہی اور

"شہزادیاں" کا حصہ درج کرنے سے رہ گیا ——— اور اردو شاعری کے نمونے بھی چھوڑ دئے گئے -

بابر؛

ص۱ " بابر نہ صرف ایک عدیم المثال سپاہی، عظیم المرتبت فاتح اور اولوالعزم بادشاہ تھا - بلکہ ارباب بصیرت نے اسکو
ایک بلند پایہ اہل قلم اور قابل قدر شاعر بھی تسلیم کیا ہے - وہ تیمور کی پانچویں چھٹی نسل میں تھا - تو کہ میں میدان کارزار کی بامردی و
شجاعت کے علاوہ علم و ثقافت سے شیفتگی و دلدادگی بھی پائی تھی، عام طور سے تیمور کو ایک ظالم اور سفاک حاکم سمجھا جاتا ہے - مگر اسکی
یہ تصویر اُن مورخین نے کھینچی ہے - جنہوں نے تعصب کی عینک لگا کر انکا مطالعہ کیا ہے - ورنہ ملک گیری اور کشور کشائی کی معرکہ آرائی کے
ساتھ ساتھ اسنے علم و فن کی انجمن آرائی بھی اسی طرح کی جس طرح انکا تاج و تخت کے حصول(?) کرنا چاہیئے(?) چنانچہ ارباب فضل و کمال
خلوت و جلوت بلکہ میدان کارزار میں بھی اسکے ساتھ رہتے - ...... وفات بابر ۹۳۷ھ

شیخم بیگ سہیلی معروف بہ شیخ سہیل

ص۳ لعل ترک بابری - اس قسم کا شعر لکھتا تھا جسمیں ڈراونے
الفاظ اور معانی ہوں: انکا شعر ہے:- "شب غم گرد باد آہم زجاے بردگردوں را + خورد بر اژدہاے سیل اشکم ربع مسکوں را -"
"کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس شعر کو مولانا عبد الرحمن جامی کے سامنے پڑھا - مولانا نے ہنسکر فرمایا کہ "حاجت یہ شعر کہتے ہیں یا آدمی کو ڈراتے ہیں"

ص۹ صیفی بخاری - کبھی مثنوی نہیں کہی - چنانچہ خود کہتا ہے ---

مثنوی گرچہ سنت شعراست + من غزل فرض عین میدانم - پنج بیتے کہ دلپذیر بود + بہتر از خمسہ اش میدانم -

ص۱۵ خود بابر --- بابر کا ایک دیوان شاہی کتب خانہ رامپور میں موجود ہے -

ص۱۷ - بابر نے اپنے ہم جلیس خواجہ کلاں کو ۹۱۵ھ میں بجور کے قلعہ کی نگرانی کیلئے بھیجدیا - اسکی جدائی سے بہت بے تاب تھا - تو
اسکے جانے کے دو ایک روز بعد یہ قطعہ لکھکر اسکے پاس بھیجدیا -

قرار عہد بیار اینچنیں نبود مرا + گریز بجور کرد بقرار آخر
بہ شعبدہ ہائے زمانہ چہ چارہ سازد کس + بجور کرد جدا یار را ز یار آخر — قلعہ بجور کی مناسبت سے لفظ بجور

بیانہ کے قلعہ کی تسخیر کے موقعہ پر بابر نے اسکے حاکم نظام خاں کو لکھا -

با ترک ستیزہ مکن ای میر بیانہ - چالاکی و مردانگی ترک عیان است + گر زود نیائی و نصیحت نکنی گوش + آنجا کہ عیان است چہ حاجت بیان است

ص ۱۹

سنہ ۹۳۴ھ میں بابر نے چندیری فتح کیا - تاریخ کا مادہ "فتح دارالحرب" نکلا - بابر نے یوں موزوں کیا -

بود چندے مقام چندیری - پر ز کفار دار حرب حرب + فتح کردم بحرب قلعہ او + گشت تاریخ "فتح دارالحرب" ۹۳۴

بابر نے کابل میں ایک جشن ہوا کر یہ شعر کندہ کرایا تھا -

نوروز و نوبہار و مے و دلبرے خوش است + بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست -

تاریخ فرشتہ بابر کا یہ شعر نقل کرتا ہے - "باز آئی ای ہمای کہ بے طوطی خطت + نزدیک شد کہ زاغ برد استخوان من" -

ابوالفضل کو بابر کے یہ دو مقطع پسند تھے - "ہلاک میکند ام فرقت تو دانستم + وگرنہ رفتن ازین شہر میتوانستم -

بابر لطف سہیش دل بستم + از پریشانی عالم رستم -

اکبر نامہ میں بابر کی یہ رباعی منقول ہے

در ولیت نہ اگرچہ نہ از خویشانیم + لیک از دل و جان معتقد ایشانیم

ص ۱۹ دور است مگوی شاہی از درویشی + شاہیم ولے بندۂ درویشانیم -

اپنے مرشد خواجہ عبید اللہ احرار کی یاد میں کہتا ہے :-

در ہوائے نفس گمرہ عمر ضائع کردہ ایم + پیش اہل اللہ از اعمال خود شرمندہ ایم

یک نظر با مخلصان خستہ دل فرما کہ ما + خواجگی را ماندہ ایم و خواجگان را بندہ ایم - احرار

اخلاص و عقیدۂ تو روشن شدہ است + حالات و طریقہ اش مبرہن شدہ است

حاصل چہ نماند زود بر خیز و بیا + دلخواہ تو شریعت معین شدہ است

تذکرہ خزانۃ الخیال (ص ۹۵) میں بابر کی یہ غزل منقول ہے :-

در دورِ ما ز کہنہ سواراں یکے ے است + واں کو دم از قبول نفسے زندہ است

ایں سلطنت کہ ما ز گدائیش یافتیم + دارا نداشت ہرگز و کاؤس را کے است

دانی کمان ابروی جانان سیہ چرا است + کز گوشہ ہاش دود دل خلق در پے است

دارد بزلف او دل زنار بند + سودائے کفر ہر چہ در وے است

[illegible]

۲۱/۲۲ **شیخ زین الدین وفائی** عالم فاضل۔ بابری دربار کا ایک شاعر۔ بمقام اکبر آباد سنہ ۹۴۰ھ میں بابر سے پہلے وفات پائی۔

آرمیدی بر قیبان و رمیدی از ما — ما چه کردیم و چه دیدی، چه شنیدی از ما

بهر دل بردن ما حاجت بیداد نبود — که سپردیم اگر میطلبیدی از ما —

غم گریبان گیر شد سر در گریبان چون کشم — شوق دامنگیر آمد پا بدامان چون کشم

ای گریبانم ز شوقت پاره دامن چاک چاک — بی تو پا در دامن و سر در گریبان چون کشم

همایون

ہمایوں ماہ ذی قعدہ سنہ ۹۱۳ھ کابل میں پیدا ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب بابر اپنی قوت اور اقتدار کیلئے ایک مقام سے دوسرے مقام کو پریشان حال پھر رہا تھا ——— بابر کے درباری امرا میں خواجہ کلاں اور شیخ زین الدین اسکے اتالیق و استاد مقرر ہوئے۔ ہمایوں شرائع کے علاوہ آداب شرائع کا بھی سختی کے ساتھ پابند رہا۔ تمام معاصر مورخین اسکو ایک بلند پایہ شاعر۔ علم ریاضی و ہیئت کا ماہر و عالم بتاتے ہیں۔ وفات سنہ ۹۶۲ھ "ہمایوں بادشاہ از بام افتاد" —

ہمایوں جب شیر خان سے لڑ رہا تھا۔ اسکا بھائی مرزا کامران خفیہ طور پر شیر خان سے سازش کر رہا تھا — تو ہمایوں نے یہ رباعی لکھی۔

در آئینه گرچه خود نمائی باشد — پیوسته ز خویشتن جدائی باشد

خود را بمثال غیر دیدن عجب است — این بوالعجبی کار خدائی باشد

جب شیر خان سے ہزیمت کھا کر جیسلمیر کے بے آب و گیاہ میدان میں پہنچا۔ تو ایک کنوئیں پر اسکی پیاسی فوج کا اسقدر ازدحام ہوا۔ کہ بہت سے فوجی کنوئیں میں گھوڑے گر کر ہلاک ہو گئے — ہمایوں نے الوقت یہ شعر کہا تھا —

چنان زد چاک گردون لباس دردمندان را — که نے دست آستین را ماند و نے سر گریبان را

سنہ ۹۵۰ھ میں ایران کے شاہ طہماسپ صفوی کو لکھا: —

خسروا عمریست تا عنقای عالی همتم — قلهٔ قاف قناعت را نشیمن کرده است

روزگار سفلہ گندم نمائی جو فروش — طوطیٔ طبع مرا قانع بہ ارزن کردہ است

دشمنم شیر است اما پشت برگردہ بود — این زمان از ضعفِ طالع روی بر من کردہ است

التماس از شاہ آن دارم کہ بانی آن کند — آنچہ با سلمان علی در دشت ارزن کردہ است

از نا صحافی

اور یہ رباعی :- ای شاہ جہاں کہ نہ فلک پایۂ تست — در دستِ ولایت ہمہ سرمایۂ تست

شاہا جہاں جملہ ہمای طلبیہ — بنگر کہ ہما چگونہ در سایۂ تست

پھر شاہ ایران کے اس شعر (حافظ) کے جواب میں کہ: "ہمای اوجِ سعادت بدام ما افتد + اگر ترا گذری بر مقام ما افتد" لکھا :-

شاہا ہمہ سایۂ ہما میخواہند + بنگر کہ ہما آمدہ در سایۂ تو —

جب شاہ طہماسپ دربار میں اُسے ہمایوں سے بدظن کرایا تھا — تو شاہ کی بہن سلطانہ بیگم اور قاضی جہاں قزوینی اور حکیم نورالدین نے شاہ کے پاس ایک روز ہمایوں کی یہ رباعی پڑھکر اسکا دل صاف کر دیا :-

ہستیم ز جان بندۂ اولادِ علی ع — ہستیم ہمیشہ شاد بیادِ علی ع

چون سرِ ولایت ز علی ع ظاہر شد — کردیم ہمیشہ وردِ خود "نادِ علی ع"

اسی اثناء میں تبریز کی سیر کرتے ہوئے عہدِ ماضی کے آثارِ قدیمہ دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی سے سخت متاثر ہو کر یہ رباعی کہی :-

افسوس کہ سرمایہ ز کف بیرون شد — در دستِ اجل بسے جگرہا خون شد

کس نامد از آن جہان کہ تا پرسم ازو — کاحوالِ مسافرانِ عالم چون شد ؟

قندھار کا مستحکم قلعہ جب بیرم خاں کی سپہگری اور جوانمردی سے فتح ہوا — تو لکھا ہے :-

باز فتح ز غیب روی نمود + کہ دلِ دوستان ازاں بکشود = شکر للہ کہ باز شاد آئیم + بر رخِ یار و دوست خندانیم

دوستان را بکام دل دیدیم + میوۂ باغ فتح را چیدیم = روزِ نو روزِ بیرم است امروز + دلِ احباب بے غم است امروز

شاد باد ہمیشہ خاطرِ یار + غم نگردد بگردِ یار و دیار = ہمہ اسبابِ عیش آمادہ است + دل بفکرِ جہالت افتادہ است

گوش خرم شود ز گفتارت + دیدہ روشن شود ز دیدارت = بنشینیم خرم و بے غم + بعد ازیں فکرِ کار بیشتر کنیم + عزمِ تسخیرِ ملکِ سند کنیم

اسی منظوم خط کے جواب میں یہ رباعی بھی لکھی :- ای آنکه انیس خاطر محزونی + چون طبع لطیف خویش موزونی

بی یاد تو من نیم زمانی هرگز + اما تو به یاد من محزون چونی !

بیرم خان نے جواب لکھا :- ای آنکه بذات سایهٔ بیچونی + از هر چه ترا وصف کنم افزونی

چون میدانی که بی تو چون میگذرد + چون میپرسی که در فراقم چونی ؟

ہمایوں نے لکھا :-

ای یار لطیف طبع و پاکیزه گهر + وی عمدهٔ اهل فضل و ارباب هنر

یک لحظه امید کز نور حضور + که آرمت از تیرگی هجر بدر

وفات کے چند روز پیشتر ہمایوں نے کہا ۔ کہ آج صبح نماز کے بعد الہام غیبی نے یہ رباعی سنائی :-

یارب بکمال لطف خاصم گردان + واقف بحقایق خواصم گردان

از عقل جفا کار دل افگار شدم + دیوانهٔ خود خوان و خلاصم گردان ! — اور اکثر پڑھا کرتے لگا

شیخ آذری کا یہ مطلع اپنے محل کے طاق پر نہایت خوشخط لکھوایا تھا :-

"شنیده ام که برین طارم زر اندود است + خطی که عاقبت کار جمله محمود است"

ابوالفضل نے اکبر نامہ میں ہمایوں کی یہ رباعیاں پسند کی ہیں :-

ای دل مکن اضطراب در پیش رقیب — حال دل خود مگوی با هیچ طبیب

کاری که ترا بآن جفا کار افتاد — الحق که مشکل است بس امر عجیب

ای دل ز حضور یار فیروزی کن — در خدمت او بصدق دلسوزی کن

هر شب بخیال دوست خرم بنشین — هر روز بوصل یار نوروزی کن

ای آنکه جفای تو بعالم علم است — روزی که ستم نه بینم از تو ستم است

هر غم که رسد از ستم چرخ بدل — مارا چو غم عشق تو باشد چه غم است

فرشتہ نے اپنی تاریخ میں ہمایوں کی دیوان سے یہ ابیات نقل کیا ہے:-

گذشت از دل سرگشتہ ناوکِ ستمش　　نماند بر منِ دلدادہ لذتِ المش

بقصدِ کشتنِ عشاق گر کند میلے　　عجب مباشد از اخلاق و شیوهٔ کرمش

کراست زہرهٔ قربِ حریمِ حرمتِ او　　کہ جبرئیل امین نیست محرمِ حرمش

اگر بہ پرسشِ عشاق مے نہد قدمے　　ہزار جانِ گرامی فدای ہر قدمش

خوش آنکہ با خیالت عمرے نشستہ بودم　　در شوقِ سروِ قدت از جای جستہ بودم

عیبم مکن کہ گفتم موئی ترا پریشاں　　در شرحِ جعدِ زلفت پیوستہ خستہ بودم

در شرحِ غنچهٔ او ہرگز نگفتہ حرفے　　لب را دراں حکایت پیوستہ بستہ بودم

حقا کہ چوں ہمایوں در حالِ وصل بیخود　　با دوست در حکایت وز خویش رستہ بودم

داغِ عشقِ تو بر جبینِ من است　　خاتمِ لعلِ تو نگینِ من است

تا نشستم چو خاک بر درِ تو　　پشتِ بامِ فلک زمینِ من است

ہر کجا شاہ و شہریار بود　　ایں زماں بندهٔ کمینِ من است

خطِ مشکینِ مصحفِ گلفام　　آیتِ رحمتِ مبینِ من است

من اشکِ رواں چو گنجِ قاروں دارم　　گلگوں درونِ کیسہ افیوں دارم

مرزا علاء الدولہ قزوینی نے "نفائس المآثر" (سنہ ۹۷۳) میں ہمایوں کی حسب ذیل غزلیں اور رباعی نقل کی ہے:-

کارِ من با مہوشے افتادہ است　　در درونم آتشے افتادہ است

خانہ ام روشن شد از روئی حبیب　　پرتوے از مہوشے افتادہ است

دل مرا اے جاں بہر سو می کشد　　تا دلم با دلکشے افتادہ است

کام دل خواہیم گرفتن این زمان　　چون بدستم سر خوشے افتادہ است

عقل و ہوش از من جدا شد ای جوان　　چون بہ تنها یوسف یہ افتادہ است

وصفِ لعل تو بہر زبانِ منست　　آتشے در میانِ جانِ منست

ہر کہ باشد بمجلسِ رندان　　بیخود از نعرۂ فغانِ منست

آنچہ در وصفِ حسنِ او گویند　　جملہ در شرح و در بیانِ منست

رباعی :- ح　　یا رب کہ رضای دلِ درویشان دہ　　این ریشِ دلِ شکستہ را درمان دہ

نسخۂ سفینۂ خوشگو بند زا بن　　حد نیست کہ گویم این بدہ یا آن دہ　　چیزے کہ رضای تو در آنست آن دہ

م　　رباعی محولہ خزینہ :- ای آنکہ ز یادِ تو دلم باشد شاد　　بے یادِ تو خاطرم دمے شاد مباد

روزے کہ ز یادِ تو کنم صد فریاد　　آیا ز منِ غمزدہ ات آید یاد

ریاض الشعرا (۱۱۶۱ھ) میں علی قلی داغستانی نے یہ رباعی بھی لکھی ہے :-

ایزد کہ فلک بقبضۂ قدرتِ اوست　　دادہ است ترا دو چیز کان ہر دو نکو است

ہم سیرت آنکہ دوست داری کس را　　ہم صورت آنکہ ترا دارد دوست

لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی نے مخزن الغرائب میں یہ دو شعر بھی لکھے ہیں :-

دریا دلیم و دیدۂ ما محیطِ در است　　گردیست ماہی است و بے چشم ما پُر است

این نہ سرو است کہ در باغ قد افراختہ است　　شمع سبزے است کہ پروانۂ او فاختہ است

بہادر شاہ کا دیوان پٹنہ کالج کے انگریز پرنسپل سید حسن عسکری نے کھجوا ضلع سارن کے کسی کتب خانہ سے ڈھونڈ نکالا ہے

دیباچہ کا اصل حمد ؟ (نعت محمد ذوالجلال)　　ای حسنِ تو دیباچۂ مجموعۂ معنیٰ　　لامع شدہ از روی تو انوارِ تجلّی

حاشا کہ جدا از تو توان زیست دمِ لیکن　　دارم بخیالے ز جمالِ تو تسلی

در مملکتِ حُسن توئی شاهِ ولایت　　کردم بولائی تو کنون روی توئی

تا حُسن تو در جلوه گری گشت ازان او　　وامق پی عذرا شد و مجنون پی لیلی

ای وادی لامکان مکانت　　دورِ ازل و ابد زمانت

ای هستی بی نشان مطلق　　شد هستی بی نشان نشانت

ای آنکه حقیقت زمان و زمینی　　کس را نبود لایق ذاتت سخنی

چون نبی که حق ثنای تو نگفت　　که شرح ثنای تو کند همچو منی

ای خالق جمله خلایق　　تو مقصد کل خلق مطلق

حالتی رو نمود از لاریب　　کاندر آن نه شهادتست نه غیب

ای آنکه در دخول بر خود بستی　　با توبه و زهد عافیت بشکستی　　صوفیانه رباعی

هرگز نکند فائده این طور ترا　　از خود چو گذشتی بخدا پیوستی

مائیم صفات حق مختار و دود　　ظاهر شده از آئینه نور شهود

چون تک شجریم در باغ وجود　　ما فرع وجودیم و خدا اصل وجود

من هیچ نیم هیچ نمیدارم نام　　بر فضل تو مانم بشب و روز و دوام

الله بحق حرمت پیغمبر لام　　بر بنده نمائی برسان فیض تمام　　نعتیه

ای سرورِ کائنات در اصل وجود　　حقا که توئی حبیب حق معبود

برخیز و نما جمال عالم آرا　　زیرا که توئی زخلق عالم مقصود

سلطان سریر انبیائی تو　　خورشید سپهر اصفیائی تو

مردم همه پیرو طریق تو اند　　ره شرع و خلق رهنمائی تو

صوفیانہ:

ای انکہ طلبگار رہِ تحقیقی | در شیوۂ صدق و راستی صدیقی
زنہار کہ غیر حق نہ بینی ہرگز | چوں بینی تو کافر و زندیقی

خواہی کہ جہاں بطبع تو راست شود | آں چیز کہ خواستی ہماں خواستہ شود
باید کہ تو با طبع جہاں راست شوی | ہر چہ خدا خواستہ آں خواستہ شود

غزل:

چہ بست از نور در بیشی ما | ازاں گشتہ بیگانہ ای خویشی ما
ترا شاہی و حسن و صد سلطنت | بلا ئیست بر جان درویشی ما
ملاحت نمودی ز جاں سوختی | نمک ریختی بر تازہ بر ریشی ما
وفا میکنیم و جفا میکشیم | نباشد جز این شیوہ در کیشی ما
ہمایوں بروی تو چوں بنگرد | چہ بیند از نور در بیشی ما

سراسر شادی عالم بیکدم غم نے ارزد | بہ نزدم عمر صد سالہ بیک ماتم نے ارزد
غنیمت داں جوانی را کہ ایام خوش است اما | ولے با عالم پیری و پشت خم نے ارزد
کو آں تخت سلیمان و کو آں اقبال دوراں | چہل خانہ زر قاروں بیک جو ہم نے ارزد
نبود جنت الماوی نبود ای ہمایوں را | کہ جنت ہم بہ گردانی آدم نے ارزد

شعراء دربار ہمایونی

جنونی - مولینا جنونی بدخشاں کے بہت ہی ممتاز و بلند پایہ شاعر تھے ... فتح بدخشاں کے موقعہ پر ہمایوں کچھ دنت میں
ایک قصیدہ پیش کیا - جسمیں ذوالفقار شروانی اور سلمان ساوجی قصائد کی طرح بہت سی صنعتوں کو ملحوظ رکھا۔ تشبیب دو شعر

شہنشاہا رخ تو لالہ و نسریں لب تو جاں | ہمے بینم لب تو غنچہ رنگیں شدہ خنداں
نے گویم خط تو سبزہ در رخسار خد تو گل | شود ظاہر قد تو فتنہ دوراں دم جولاں

ملا عبد القادر بدایونی کا بیان ہے - کہ صنعتِ توشیح سے مصرعوں مجموعے سے یہ مطلع ہو جاتا ہے ! -

شہنشاہِ دیں بادشہ زمان　　زبختِ ہمایوں شدہ کامران

اور اگر ہر مصرع کے خط کشیدہ الفاظ کو ترتیب دیا جائے تو یہ مطلع ہوگا ! -

رخِ تو لالہ و نسرین خطِ تو سبزہ و ریحاں　　لبِ تو غنچۂ رنگیں قدِ تو فتنۂ دوراں

اور اگر صنعتِ عکس ساقہ یہ مصرع پڑھا جائے تو اسکی شکل اسطرح ہو جائیگی ! -

خطِ تو سبزہ و ریحاں رخِ تو لالہ و نسرین　　قدِ تو فتنۂ دوراں لبِ تو غنچۂ رنگیں ۔

اسطرح اس قصیدہ میں معما، اخبار نفر، اور تاریخ گوئی کا بھی خیال رکھا گیا۔

اصلاح ہمایوں: بیش از بال و پرم نہ دوم سوختہ

ملا حیاتی

ہمچو پروانہ بشمع سرد کار است مرا　　پس اگر پیش روم بال و پرم سوزد

جاہی

جاہی تیماں نے شاہ محمد خان شاپور والی کابل کی ہجو کہی ! -

شاعرِ شاہ ہمایونم و خاکِ درگہ　　می زنند کوکبۂ شاعریم طعنہ بمہ

خسروِ شعرم و ابیاتِ حشمتم خیل و سپہ　　دیدم از قحبہ زنی ظلم، نہ جرم و نہ گنہ

پارہ کاغذ اگر از بہر دیوان گشتہ سیہ　　سوئی ہجو بس اگر اندیشہ شود ور بیرہ

غرض آں است کہ ایں خورد صفتاں ابلہ　　عزت و حرمتِ اس طائفہ دارند نگہ

وائے تہمت کہ بخیلِ شعرا بستیزد　　ہر کہ با ما بستیزد ببلا بستیزد

اصلاح ہمایوں: ہر کہ با ما بستیزد بخدا بستیزد

نادری

نادری سمرقندی شاعر قادر الکلام جید عالم تھا - ہمایوں کی شان میں قصیدہ کہا ! -

المنۃ للہ کہ بجمعیتِ خاطر　　با عیش نشستند حریفانِ معاصر

خاقانِ معظم شہِ جم قدر ہمایوں　　کش ہست قوی دست و دل از قدرتِ قادر

از دانش او دانش اصحابِ بصیرت　　در بینش او بینش اربابِ بصائر

منہی چو حرام است در احکام شریعت | اقبال نماید بمراعات اوامر
هر نکتهٔ حکمت که لب لعل تو فرمود | مشهور جهان شد چو حدیث متواتر
مبنی است که شرح کتب فن ریاضی است | تصنیف متین تو زالحاز دوائر
احصائے کمالات تو کردن نتوانم | کاندر همه فنها شدهٔ کامل و ماهر

مولنا نادری کا انتقال سنہ ۹۶۶ میں ہوا — میر آغائی کابلی نے تاریخ کہی! — گفته خرد که "رفت یکے از سخنوران"

مولنا شیخ ابوالواجد فارغی بن شیخ وجیه الدین هروی :— متوفی در اگره سنه ۹۴۰ — ابن رشته دار شیخ زین الدین وفائی کے بعیمہ ببهو میں دفن ہوا —

رشتهٔ جمعیت ای یاران بهم دم نگسلید | در پریشانی پریشانی ست از هم نگسلید
چو تیر خدنگی از پهلویم بگذار پیکان را | مرا دل ده که تا مردانه در راهت دهم جان را

شاه طاهر خاوندی دکنی عراقی — همایوں کے ملکہ دربار امراسے تھا لیکن دکن برهان نظام شاه اول والی احمدنگر کے پاس دکن چلا گیا۔ جہاں اسکی بڑی قدر ہوئی۔ اور برهان نظام شاه نے اسکا مذہب اختیار کیا سنه ۹۵۲ "از توابع اهل بیت کرده"

قصیده در شان همایوں کے دو شعر میں —

محمل مهر چو آید بشبستان حمل | لاله فانوس برافروزد و نرگس مشعل
کوه از درد سر بهمن و دی رست اکنون | شوید از ناصیه اش ابر بهاری صندل

خواجه ایوب بن خواجه ابوالبرکات فراقی ماوراءالنهری =

ای شاخ گل که همچو سهی قد کشیدهٔ | بر گرد لب خطے ز زمرد کشیدهٔ
قدت برآمده چو الف مد طلب | وز ابروان فراز الف مد کشیدهٔ
بر حرف دیگران زدهٔ قرعهٔ قبول | بر حرف عاشقان قلم رد کشیدهٔ
تشویش بیکسی مکش ای نو رسیده چین | نایدچو چشم دلکش اگر صد کشیدهٔ
از دولت وصال فراقی طمع مبر | جور و جفائے یار چو بے حد کشیدهٔ

فارغی

طاہر دکنی

ایوب

کاہی

قاسم کاہی - عرف میاں کالے کابلی - تفسیر - کلام - ہیئت - موسیقی اور شاعری میں بڑی دستگاہ رکھتا تھا -
ہمایوں کے شیر شاہی قلعہ سے گر کر مرنے کی تاریخ اس طرح کہی:

(از مرآۃ العالم)

ہمایوں بادشاہ آں آفتابے	کہ فیض شامل او عام افتاد
بنای دولتش چوں یافت رفعت	اساس عمرش از انجام افتاد
چو جمشید جہانتاب از بلندی	بپایاں در نماز شام افتاد
جہاں تاریک شد در چشم مردم	خلل در کار خاص و عام افتاد
پئے تاریخ او کاہی رقم زد	"ہمایوں بادشاہ از بام افتاد" ۹۶۲

قاسم نام داشت عمرش بصد و بیست سال کشیدہ و صحبت جامی را دیدہ بود در فن موسیقی امتیاز داشت در کمال بے تعلقی و آزادگی می گذرانید [illegible] ... شاعر کہ رفتہ رفتہ با فقرا [illegible]

ہمایوں کی تاریخ وفات ... [illegible] سکہ خطبہ میں وفات [illegible] تاریخ "خوش فوت کاہی" [illegible] در دہم از ماہ ربیع الاول ۹۶۸

اکبر کے دور میں دین الٰہی کے فتنہ میں ملوث ہو گیا - بوستان کے جواب میں "گل افشاں" لکھی تھی - غزل کا رنگ:

چرخ تا بر فرق مجنوں پرزدن انگیز کرد	آتش سودای لیلی بر سر او تیز کرد
چوں ز عکس عارضش آئینہ پر گل شود	گرد آں آئینہ طوطی ہمچو بلبل شود

ہمایوں کے دربار کے اور شعرا - امان اللہ بیانی تھی - جلالی - میر ولی - حیدر تونیانی - خسروی بلگرامی - قاسم کاہی - ...

ہمایوں کا سپہ سالار **بیرم خاں خانخاناں** فارسی اور ترکی کا ایک اچھا شاعر اور صاحب دیوان تھا -
اسنے ہمایوں کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ... ہمایوں کی فلکیاتی ذوق کے لحاظ سے اصطلاحات سے لبریز ہے:

آں چرخ چیست کاہ بر محورش مدار	آں مدر کیمیا نہ شہابش کند گذار
با آنکہ می کند ہمہ دعوی برابری	آمد کجاں ز حلقہ بگوشاں سپہر یار
نارد بچشم کوکبۂ آفتاب را	چوں چتر لوائے شہنشاہ نامدار
پیوستہ آسمان و زمین زیر حکم اوست	ہمچوں نگین خاتم شاہ جم اقتدار
بر کف نہادہ خوان زرے مہر اشرفی	تا بر قدوم اشرف شاہاں کند نثار
شاہ بلند قدر ہمایوں کہ از شرف	بر درگہش سپہر نہد روی افتخار

اکبر

سنہ ۹ اکبر اگرچہ خود ان پڑھ بادشاہ نہیں تھا ۔ مگر بقول ابوالفضل سب پڑھ لیتا تھا ۔ اچھا خاصا ملکہ رکھتا تھا ۔
اور کبھی کبھار شعر بھی موزوں کیا کرتا تھا ۔ بالکل کچھ بھی نہ تھا ! — ابوالفضل نے اکبر کا یہ شعر لکھا ہے :

نیست زنجیر جنوں در گردن مجنون ما ــــ عشق دست دوستی در گردنش افگندہ است

علی قلی والہ داغستانی نے ریاض الشعرا میں ایک مستزاد رباعی اکبر کی طرف منسوب کی ہے ۔ جو بقول اس کے اکبر نے عبداللہ خان
اوزبک والی توران کو ایک دفعہ پر لکھی تھی ! —

عمرم ہمہ در فراق و ہجران بگذشت : با درد و الم + ای عمر گرانمایہ چہ ارزان بگذشت : در رنج و ستم
عمرے کہ بشد صرف سمرقند و ہری : با عیش و طرب + افسوس کہ در اگرہ ویران بگذشت با غصہ و غم

"مآثر الامرا" میں اکبر کا ایک منظوم خط و کتابت بھی درج ہے ۔ اس کا اور اس کے باپ کا ایک امیر علی قلی خان (خان زمان) حاکم
جونپور باغی ہو گیا ۔ علی قلی خان علم پرور اور شاعر تھا ۔ سلطان تخلص کرتا تھا ۔ اور اس نے اکبر کو لکھا ! —

ای سد سکندر زمانہ در تو ــــ یاجوج کجو سپاہی لشکر تو
(اکبر کی جواب ۔ ۱) در دور تو آثار قیامت پیداست ــــ دجال توئی خواجہ اعتماد خر تو
ای خان زمان کہ ہر کجو لشکر تو ــــ شد دولت من باعث کر و فر تو
(خان زمان کا جواب ۔) کمتر باشم ز خرِ دجال امروز ــــ فردا ہی اگرچہ افراسیاب نامم سر تو
نا ہست اثر خالصہ در کشور تو ــــ مشکل کہ من جنگ کند لشکر تو
(اکبر کا جواب) بگذر ز زور و سیم کہ تا نو کر تو ــــ از سر گذرد برائے سیم و زر تو
با آنکہ بود خاک دوم قیصر تو ــــ امروز بمن فرو نیاید سر تو
از دولت من ہست ترا سیم و زرے ــــ در زور زر ہست ورت لشکر تو
(خان زمان کا جواب مایوسی کی حالت میں :) ای شاہ زمان منم کمیں نو کر تو ــــ در شر بس نمیتوانم آید بر تو
از دور تو قصد کشتن من داری ــــ نزدیک چسان توانم آید بر تو

اکبر کا جواب

گفتی تو چہ داستی جدا یاورِ تو — صد رحمتِ حق بر پدر و مادرِ تو

تغییر مدہ تو سکہ و خطبہ من — تا من بکنم آرزوی کشورِ تو

تذکرہ "روزِ روشن" میں اکبر کے حسبِ ذیل اشعار درج ہیں:-

شبنم مگو کہ بر ورقِ گل فتادہ است — آن قطرہا ز دیدۂ بلبل فتادہ است

گریہ کردم ز غمت موجبِ خوشحالی شد — ریختم خونِ دل از دیدہ دلم خالی شد

دوشینہ بکوئی میفروشان — پیمانۂ مے بزر خریدیم

اکنون ز خمار سر گرانیم — زر دادم و دردِ سر خریدیم

رباعی: از بار گنہ خمیدہ پشتم چہ کنم — نے راہ بمسجد نہ کنشتم چہ کنم

نے در صفِ کافر نہ مسلماں جایم — نے لائقِ دوزخ و نہ بہشتم چہ کنم

بی یاد دلم کہ خون شد از دوریِ او — بی یار غمم ز دستِ مہجوریِ او

در آئینۂ چرخ نہ قوسِ قزح است — عکسیست نمایاں شدہ از جوریِ او

"دربارِ اکبری" میں آزاد (محمد حسین) نے دو اور شعر بھی زیادہ کئے ہیں:-

من تنگ بنے خودم نے آرید — من چنگ بزنم نے آرید

حاجی بسوئے کعبہ رود از برائے حج — یا رب بود کہ کعبہ بیاید بسوئے ما

صحیح کی اصلاح

فغانی کے شعر "مسیحا یار و خضر ہمرکاب و ہمعنان عیسی + فغانی آفتابی بی بدین اعزاز می آید" میں اکبر نے فغانی "شہسواری"

اصلاح ملا طالب اصفہانی کی حسبِ ذیل رباعی جس میں حکیم ابوالفتح گیلانی کی موت پر افسوس اور اسکے بھائی حکیم ہمام کی آمد پر خوشی کا اظہار

مہر دو برادرم کہ دمساز آمد — او شد بسفر وین ز سفر باز آمد

او رفت بدنبالہ او عمر برفت — وین آمد عمر رفتہ ام باز آمد

شعر مصرعہ میں اکبر نے اصلاح کی ہے:- "او رفت و در رفتنش او عمر برفت"

جب ابوالفضل شہزادہ سلیم کے اشارہ سے ۱۰۱۰ھ میں بیر سنگھ بندیلا کے ہاتھ سے قتل ہوا تو اکبر نے غم میں کہا

شیخ ما از شوق بے حد چوں سوئے ما آمدہ — ز اشتیاق پائے بوس بے سر و پا آمدہ ۔

عبدالرحیم خانخاناں بن بیرم خان خانخاناں ۔

یہ صاحب سیف و القلم امیر تھا ۔ داد و دہش کے قصے اسکے بہت زیادہ ہیں نظیری نیشاپوری نے کہا کہ اسنے ایک لاکھ کی رقم کبھی اکٹھی نہیں دیکھی ۔ لاکر اسکے سامنے ڈھیر کروایا ۔ پھر چپکے سے اسکے گھر بھجوایا ۔ ایک سندھی عرفی گنگ کوی کو چھتیس لاکھ روپیہ انعام دئے ۔ اسکے باپ نے بھی ایک شاعر ہاشمی قندھاری کو ایک لاکھ تنکہ دیکر اسکی ایک غزل جو اسے بیرم خان کی بہت پسند آئی تھی ۔ اپنی طرف منسوب کرائی :— وہ غزل یہ ہے :—

من گم شدم عنانِ دل از دست دادہ — وز دستِ دل براہِ غم از پا فتادہ
دیوانہ وار در کمر کوہ گشتہ — بے اختیار سر بہ بیاباں نہادہ
گاہے چو شمع ز آتش دل در گرفتہ — گہ چوں فتیلہ با دل آتش فتادہ (در دل دادہ)

بیرم ز فکر اندک و بسیار فارغیم
ہرگز نگفتہ ایم کمے یا زیادہ

عبدالرحیم خانخاناں رحیمی تخلص کی غزل :—

شمارِ شوق ندانستہ ام کہ تا چند است — جز اینقدر کہ دلم سخت آرزومند است
بکیشِ صدق و صفا حرفِ عہد بیکار است — نگاہِ اہل محبت تمام سوگند است
نہ دام دانم و نے دانہ اینقدر دانم — کہ پای تا بسرش ہر چہ ہست در بند است
مرا فروخت محبت ولے ندانستم — کہ مشتری چہ کس است و بہائے من چند است
ادائے حق محبت عنایتے است ز دوست — وگرنہ خاطرِ عاشق بہیچ خرسند است
از آن خوشم بسخنہای دلکش تو رحیم — کہ اندکے بہ اداہائی عشق مانند است

جہاں چشمہ قائم است برائے درد + شکستہ دوستی ز روبرو ۳۴۹ صہ
جگر پارۂ چند بر خوانِ او + جگر خوردۂ چند مہمانِ او

ملا عبد القادر بدایونی قادری تخلص رامائن کا ترجمہ سنہ ۹۹۵ میں شروع کرکے سنہ ۹۹۹ میں ختم کیا تو اکبر نے پسند کیا

ما قصہ نوشتیم بہ سلطان کہ رساند — جاں سوختہ کردیم بجاناں کہ رساند

ملک الشعرا غزالی مشہدی

اکبر کی فیاضیاں اور قدر دانیاں سنکر ہر جگہ سے شعرا ہندوستان میں آتے تھے ملا بدایونی نے اپنی مشہور تصنیف منتخب التواریخ کی تیسری جلد میں اس عہد کے ایک سو چھ ۱۰۶ شعرا کے حالات اور انکے کلام کے نمونے درج کئے ہیں۔ ابو الفضل نے آئین اکبری میں تیرہ اور خواجہ نظام الدین احمد نے طبقات اکبری میں اکاسی ایسے شعرا کا ذکر کیا ہے جنہوں نے دربار میں پہنچکر تقرب حاصل کیا تھا۔ ان میں سب سے پہلے غزالی مشہدی ہیں جو فوراً ترقی کے عراق سے ہندوستان آیا۔ تو اکبر کے ایک امیر خان زمان حاکم جونپور نے ایک ہزار روپیہ زاد راہ بھیجکر اپنے ہاں بلا لیا۔ یہاں ایک مثنوی "نقش بدیع" لکھکر پیش کی۔ خان زمان نے فی شعر ایک اشرفی انعام دیا۔ مثنوی ایک ہزار شعر کی تھی۔ اسکی وفات کے بعد غزالی شاہی دربار میں پہنچکر "ملک الشعرا" کے خطاب سے سرافراز ہوا۔ سنہ ۹۸۰ میں احمد آباد میں وفات پائی۔ مرآۃ الصفات اکبر کی ستائش میں لکھی۔ اسمیں لکھتا ہے :—

تاج دہ تارک روشن دلاں — سرکشِ گبرقی گردناں
شاہ فلک مسند خورشید رخش — ملک ستاننده و اقلیم بخش
گر بکشد تیغ جہاں سوز را — قطع کند سلک شب و روز را
در نخورد دہر ز انجام او — تیغ شود موی بر اندام او
کوی فلک گر فگند چشم کین — آب شود چرخ دوادو دو زمین
رائے وے از عقل جواں پیر تر — بخت وے از صبح جہانگیر تر
ابر حیا کان کرم بحر جود — تازہ گل گلشن چرخ کبود

"نقش بدیع" کا نمونہ :—

خاک دل آں روز کہ می بیختند — شبنمے از عشق برو ریختند
دل کہ بآں رشحہ غم اندود شد — بود کبابے کہ نمک سود شد
بے اثر مہر چہ آب و چہ گل — بے نمک عشق چہ سنگ و چہ دل
ذوق جنوں از سر دیوانہ پرس — لذت سوز از دل پروانہ پرس

فیضی

غزالی کے بعد ابو الفیض فیضی ملک الشعرا ہوا۔ اسکی خوش بیانی، جدت طبع، رنگینی استعارات، تراکیب کی دلکشی الفاظ کی تراش، مضامین کی بلندی، تشبیہات کی دلآویزی، خیالات کی ندرت، زبان کی سلاست، بیان کی عذوبت وغیرہ وغیرہ کی سب تذکرہ نگاروں نے دل کھولکر تعریف کی ہے۔ اکبر اسکا بڑا قدردان تھا۔ اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے

ساعتها خرد پرو ها	دریا گہرا فلک شکوہا	نہ بت جہاں بعیش ہو بت	دور تو شراب آسمان مست
امروز بایں نوائی چوں شہد	نی بار بدم تو خسرو عہد	زیں جام کہ کردم فلک سماع	پیش تو ستادہ ام بیک پائی
ای نامہ کہ عشق بر زبان برد	طغرائی ترا بر آسمان برد	ای چار ہزار گوہر ناب	کانگیختہ ام ز آتشیں آب
بینہ پرکہ آب گوہر است	از ہر بیت را افسر است	پیمانہ بی اگر لشہ پر	دریا یکشف نثار نی در
گر عشق چنیں بسوزدم پاک	ہیہات بیروں برآرم از خاک	بگداختہ آبگینہ دل	آئینہ دہم بدست جہل
آنم کہ بسحر کاری زرف	از شعلہ تراش کردہ ام حرف	بانگ قلم درین شب تار	بس فتنہ خفتہ کردہ بیدار

صبح بہ فیض بادشاہی + نی بودم دبادہ صبحگاہی

مثنوی نل دمن کا انداز - اکبر کی شان میں لکھتا ہے :—

ای پایہ فزای ہفت اورنگ	میزان عدالت گران سنگ	فیض تو بہ روزگار مفتوح	چوں بادہ بجسم دنغمہ بروح
صد باغ طرب بہ ہر نگاہت	صد میکدہ بادہ در نگاہت	ای از تو جہان شکوہ گرفتہ	با تیغ تو فتنہ خو گرفتہ
صحبت کہ گل ظفر دماندہ	از خامہ ترا انگبیں فشاندہ	ہر جا غرور کجکلاہی	سرکردہ فتنہ شد سپاہی
تیغ تو گلہ زدودہ سرہم	ای زہرہ شراب اوج گرم	آفاق لب مگاه دیگر	از لہجہ رایت برد نور

آنرا کہ لب تو داد داد آب + بیداری شب حیات آبی ست

عرفی — محمد جمال الدین عرفی شیرازی :— اکبر کی شان میں بہ یہ قصیدہ :—

ای جل معنی سرشتت راز دان آفتاب   تا ابد بر خوان دولت میہمان آفتاب

بر کمال دولتت ہر کس کہ بینہ بنگرد   از شراب تربیت رطل گران آفتاب

دولت جمشید ہمدوشی کند با دولتت   گر تواند سایہ بودن ہمعنان آفتاب

کاروان سالار شاہی آفتاب آمد ولے   چوں تو نامد یوسفے در کاروان آفتاب

دهر سرکش رام شد در زیر رانِ دولتت   چون سمند آسمان در زیر رانِ آفتاب

طوطیِ طبعم چو در مدحت شکرخائی کند   آب گرم از ذوق گردد در دهانِ آفتاب

تا لوای دولتت را بگذرانند از اوج عرش   اہل حق را شد معلوم شانِ آفتاب

همچو شمعی کان برافروزند از شمع دگر   از یکی نور است جانِ شاه و جانِ آفتاب

فیض حق تابد ز رویت چون نتابد گر ازل   گوهرت را پرورش داد است کانِ آفتاب

سجده‌گاه هفت اقلیم است مسندگاهِ تو   قبلهٔ هفت آسمان است آستانِ آفتاب

هرکجا آیا جنگاه طلعتت آماده کرد   حق جهد تیر سعادت از کمانِ آفتاب

گر نهادی آفتاب آرامگه جای داشتی   جای اکبرشاه بودی آشیانِ آفتاب

وصفِ شاه از ما کجا چون من کجا لایق شود   هرچه کردم نقل کردم از زبانِ آفتاب

گر پس از قرنی بود سعدین را با هم قران   چون بود هر صبحدم با شه قرانِ آفتاب

موج خورشید و ثنای شه کند عرفی مدام   کز مریدانِ شه است و عاشقانِ آفتاب

وقت دولت باد سر لا ابزال آسمان   نور چشمت باد حسن جاودانِ آفتاب

بر سر شه سایه افگن چون شود بالِ هما   چون پر خفاش گردد سایبانِ آفتاب

گر بدان غایت که شه بشناسدش باید شناخت   از مسیحا هم مجو نام و نشانِ آفتاب

آسمان داند که چون شاه جهان هرگز نبود   قدردانِ آفتاب اندر زمانِ آفتاب

اکبری دور میں عرفی کا زورِ کلام، شوکتِ الفاظ، جدتِ استعارات، ندرتِ تشبیہات، نازک خیالی، مضمون آفرینی، تراکیب کی چستی۔ معانی کی برجستگی، نئی نئی تمہیدیں قائم کرنے میں کوئی مدمقابل نہ تھا۔ لہٰذا ~~بلطف~~ اسکے فخریہ لہجہ میں جو غرور پایا جاتا ہے۔ بیجا نہ تھا۔ اکثر اسکا اور قصیدوں میں کیا ہے۔

شہا بہ بزم تو چون این قصیدہ برخوانم | کہ ملک نظم ز فیضش گرفتہ است نظام
سزد بجایزہ با جیب پر گہر گردد ل | برو شمیم افگنہ اش جابۂ ز ترد قام

۹۹۷ھ میں جب اکبر کشمیر گیا۔ تو عرفی ہمرکاب تھا۔ قصیدہ لکھا۔ اکبر کو مخاطب کر کے اسمیں لکھا ہے:—

حکم تو اش آوردہ بکشمیر وگرنہ | کہ از سر آن خاک بخاک دگر آید
ے آید دے سوزد ازین رشک کہ کشمیر | چون یافت کہ آید بکی برابر آید

نظیری — محمد حسین نام۔ نیشاپور کا رہنے والا۔ عبدالرحیم خانخاناں کی وساطت سے اکبر کے دربار میں پہنچا۔ جہانگیر کے بیٹے شہزادہ خسرو کی ولادت کا جشن تھا۔ قصیدہ پیش کیا۔ حج کو گیا۔ واپسی پر دکن کی طرف چلا گیا۔ جہاں اکبر کا چھوٹا لڑکا شہزادہ مراد فوجیں لئے پڑا تھا۔ ایک امیر نے نوروزہ جشن کے موقعہ پر دربار میں پیش کیا۔ دربار کی شان دیکھ کر مبہوت ہو گیا۔ یقیناً نے باز پرس کی۔ دوسرے روز تمام واردات اس قصیدے میں لکھ دی —

دران لباس کہ بر خود مرا شعور نبود | ز دور دیدۂ دانا دلے بمن افتاد
بمہر گفت کہ ای زیب بخش محفل انس | بیا بیا کہ بوقت آمدی مبارکباد
لطافت مجلس این جشن فروردی است | تو نیز جلوۂ این نظم خواہی داد
ہمین دوید و نگفتم و ہنوز پیدا بود | کہ شد غریو کزین قطرہ کردہ دریا یاد
چنان بپایۂ دولت شدم شتاب زدہ | کہ چند بار سرم در مقام پا افتاد
ز بسکہ تیز بہ آن بارگاہ در رفتم | ادب ز پایۂ خود پای بر فراز نہاد.
ز دلفریبی آئین و فر سلطانی | نگاہ تہنیتم رسم سجدہ رفت از یاد
چہ خوب رسم ادب را بجا نیاوردم | ندا رسید کہ ای روستائی مادر زاد
بساط عرش دگر بار تراچہ پیش آمد؟ | حریم کعبہ دگر غفلت تراچہ حال افتاد؟

جواب دادم و گفتم بجرم معذورم — که تا منم کسی دولتی نگذشتم شاد الخ

جب یہ شہزادہ مراد مرا ۔ تو نظیری نے بڑی دلسوزی سے ایک مرثیہ کا ترکیب بند لکھا ۔

ای بزم تیره رخ جم از عیان کجاست — وی رزم درهمی شه گیتی ستان کجاست

شوق سجود و حرمت تعظیم کمتر است — آن ناز صدر و سرکشی آستان کجاست

برگ و شگوفه رفت ثمر از کجا خورم — بشکست شاخ و برگ هرا آشیان کجاست

کس را سرود در خور این تعزیت نبود — پیدا کنید کاو قابل این داستان کجاست

خلقی بشیون اند و نگوید حال چیست — صبر سخن شنیدن و تاب بیان کجاست

آفاق در مصیبت او ممتحن شده

این مرگ باعث الم مرد و زن شده

غم خاست در پیاله می از ساغر افگنید — شد بزم تیره پرده از آن رخ بر افگنید

شمعی که دهر روشن از او بود مرده است — پروانه را ببر برد و بخاکستر افگنید

در بزم او ز حلقهٔ ماتم خرام نیست — این حلقه را ز صحن سرا بر در افگنید

ریحان جلوه یاسمن عشوه ریخته — چینیه و نیم تر آن قدحان پرور افگنید

رفت آن سری که تاج با و سر فراز بود — بر سر کنید خاک و کلاه از سر افگنید

خیزید تا به آن سر تابوت دم زنیم

عرضی کنیم و کار دو عالم بهم زنیم

عہد جہانگیری میں بھی شاہانہ الطاف سے سرافراز رہا ۔ شہ جلوس میں انوری کی تتبع میں قصیدہ لکھا خلعت و دارا و دینہ دلفوزا انعام پایا

جہانگیر نے ایک عمارت بنوا کے کتبہ کی فرمائش کی تو ایک غزل لکھا انعام پایا مطلع یہ تھا ۔ تین ہزار بیگھہ زمین جاگیر ۔

ای خاک در تو [illegible] گشته [illegible] باد افسر [illegible] دولت تاجوران را

مرزا کامران

شہزادہ کامران - ہمایوں کا دوسرا لڑکا تھا - بہت ذکی اور شاعر تھا - اپنے بھائی ہمایوں سے بار بار جنگ کرنے کے بعد گرفتار کیا گیا - اسکی آنکھیں نکلوائی گئیں - گرفتاری سے پہلے سلیم شاہ سوری کے ہاں پناہ گزین رہا - وہاں شعراء کے ساتھ صحبت کرتے رہے - ایک دفعہ سلیم شاہ نے کامران کو اپنا کلام سنانے کو کہا - اسنے جلی کر برجستہ کہا :-

گردش گردون گردان گردنان را گرد کرد — بر سر اہل تمیزان ناقصان را فرد کرد -

سلیم شاہ خفیف ہوا - پھر سلیم سے بھاگ کر کابل جا رہا تھا - کہ ہمایوں کے آدمیوں نے گرفتار کیا

کلام :-

با رقیبان ہمدم و ہمراز دیدم یار را — یا رب آسان کن بمن این حالت دشوار را
وہ چہ باشد بیقراران را دہد صبر و قرار — آنکہ می بخشد خرام آن سرو خوش رفتار را
در تکلم لعل او زانسان کہ میریزد گہر — چون نگہ دارم ز گریہ چشم گوہر بار را
غیر جانان در جہان چیزے نبیند او دگر — ہر کہ بردارد ز پیش این پردہ پندار را
کامران تا چند مرا جز دوست چیزے در نظر — تا بکام خویش دیدم دولت بیدار را

ای قد رعنای تو سرو گلستان حسن — روی دلارای تو لالہ بستان حسن
روی خوش چہرہ تازہ گل باغ لطف — سرو قد دلکشت نخل گلستان حسن
شمس و قمر را نماند ماہ رخا رونقی — تا تو برآوردہ سر ز گریبان حسن

زینسان کہ جمال خود آراستہ ای — در زاہد شکست آری و در عشق بیفزائی
چون چہرہ بیارائی رخسارہ برافروزی — خود گوی کجا ماند آئین شکیبائی ٢
گر سر بکشم پیشت در خاطر من باشی — در سینہ تو پنہانی در دیدہ تو پیدائی
از صفحہ رخسارت صد نکتہ بیاد آید — ای وائے از آن روزے کان را بخط آرائی
گفتی کہ اشارت دانم گر خواہم دگر رانم — من بندہ فرمانم ہر نوع کہ فرمائی

گر دیر نشین سازد در دره دیر نازد		ما را نبود یارا او راست توانائی

سودای کسی دارد باز این سر بی سودا		جانی هوسی دارد باز این دل هرجائی

چون بمقصود نشد هیچ کسی رهبر ما		بعد ازین خاک در پیر مغان و سر ما

کار ما چون ز در بسته زاهد نگشود		بو که زین پس ز خرابات گشاید در ما

بارگی سست و شب تیره و رهزن در کمین		وای گر هادی لطفت نشود رهبر ما

خو گرفتیم بدرد و غم عشقت لیکن		دم بدم درد و غمی بر دل غم پرور ما

وه که از شوق دلم میطپد و مضطربم		میرسد مژده وصلی مگر از دلبر ما

کار آن سوخته ام از آتش هجران کی
که بکویش نرسد ذره خاکستر ما

رباعی :-

یارب ز کرم دری بر ویم بگشای		زنگ غبر از دل حزینم بزدای

پیوند من از جمله علایق بگسل		از هر دو جهان سوی خودم راه نمای

قطعه :-

ای برادر ز من شنو سخنی		که از آن بهره ور شوی شاید

دل بکار جهان منه که از آن		بار غم بر دل تو افزاید

کار عقبی طلب ز دنیا ترا		کار و بار جهان چه کار آید

مثنوی

تا چه سازد جهان بی سر و بن		غافل از مکر آسمان کهن

رفت کارم ز دست و دست از کار		نیست کارم بجز ناله زار

نی ز نخل امید من ثمری		نی ز تخم نشاط و عیش بری

نگشاید دلم ز باغ و بهار		نیست مقصود من ز جمله نگار

ساقی نامہ کا ٹکڑا۔

بیا ساقی آں مے کہ خامی دہد ز دنیا و عقبیٰ خلاصی دہد

باپ (بابر) نے اُسے قندھار کی مملکت دی تھی۔ اسکے مرنے کے بعد کامران نے لاہور پر قبضہ کیا۔ ہمایوں نے بھی مصلحت وقت کو پیش نظر رکھ کر پنجاب۔ پر بھی اسکو حکمران بنایا۔ متاثر ہو کر بھائی (ہمایوں) کو لکھا:۔

حسن تو دمبدم افزون بادا طالع فرخ و میمون بادا
ہر غبارے کہ ز راہت خیزد کحل چشم من محزون بادا
خاک کوے تو کہ لیلیٰ خیزد جائے او دیدۂ مجنون بادا
بندۂ حلقہ بگوشی تو چو من صد چو دارا و فریدون بادا
ہر کہ گردِ تو چو پرگار نگشت او از این دائرہ بیرون بادا
کامران تا کہ جہاں راست بقا خسرو دہر ہمایون بادا

نیز یہ غزل بھی:۔

چشم بر راہ تو دارم شہ ا پائے چند وقت آں شد کہ نہی جانب ما گامے چند
آنکہ ہرگز ننوشتہ سوی ما پیغامے چند چہ شود گر لکنم شاد بدشنامے چند
تا کے میل دلم را برخت بے برد دولت وصل تو خواہیم و دلآرامے چند
بہر صید دل ما دانۂ خال تو بس است ہر دم از زلف منہ بر سر ما دامے چند
ما حوا باقی و رندیم تو با ما منشیں حیف باشد کہ نشینی تو بہ بدنامے چند

کامراں ایں غزل تو ہمایوں بنوشت
تا شہ ارسال کند سوئی تو انعامے چند

ہمایوں نے اسکے صلہ میں کامران کو حصار فیروزہ انعام دیا۔

مگر برادرانہ تعلقات زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکے۔ اور جلدی ہی دونوں کو ایک دوسرے کا مخالف

صف آرا ہونا پڑا۔ کامران بھی مردانگی اور جوش عمل میں کچھ کم نہ تھا۔ شیر شاہ سے ہمایوں پے در پے شکست کھاتا ہے

اور کامران اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ ہمایوں کے بھاگنے کے تیرہ برس بعد اسکی واپسی پر اسے بھائی سے لڑنا پڑا۔

جنگ میں طوالت دی۔ ہمایوں نے بھائی کو لکھا: (بقول ابوالفضل)

"ای برادر بدخو ولی عزیز جنگ ہے از تدبیر این کار، کہ باعث کارزار و موجب قتل و آزار مردم بیشمار است) باز آی"

و بر مردم لشکری و شہری رحم نمای امروز این ہمہ مردم کہ کشتہ میشوند فردای قیامت

بود خون القوم در گردنت = بود دستان جمع در دامنت + ہمان بہ کہ بر صلح رای آوری = طریق مروت بجای آوری

مگر کامران نے اپنی اولوالعزمی اور بلند حوصلگی میں سرشار ہو کر لکھ بھیجا: ۔

عروس ملک کسی در کنار گیرد چست کہ بوسہ بر لب شمشیر آبدار زند ۔

شکستیں کھا کر بھاگنے اور سلیم شاہ سوری کے ہاں پناہ لینے کے بعد جب پکڑا گیا تو اسکی بینائی زائل کی گئی۔ اپنے ایک معتمد غلام

بیگ ملوک نامی کا ہاتھ اپنے آنکھوں سے لگاتا اور کہتا: ۔

ہر چند کہ چشم بر رخت پردہ کشید است بیناست چشمی کہ لب روی تو دیدست

بقول فرشتہ ہمایوں بھی اسکا عبرتناک حشر دیکھنے گیا۔ اسنے استقبال میں یہ شعر پڑھے: ۔

ز قدر و شوکت سلطان نگشت چیزی کم ز التفات بمہمان سرای دہقانی ۔

کلاہ گوشہ دہقان بآفتاب رسید کہ سایہ بر سرش افگند چون تو سلطانی ۔ ہمایوں رو پڑا

جب ہمایوں اسکے خیمہ میں داخل ہوا۔ تو اسنے یہ دو شعر پڑھے: ۔ (جو ہمدجی کے ہیں)

کلاہ گوشہ درویش بر فلک ساید کہ سایہ ہمچو توشاہی فگند بر سر او

بر جانم ہر چہ از تو رسد جای منت است گر ناوک جفاست و گر خنجر ستم

کامران اپنے بچوں کو ہمایوں کے حوالہ کر کے اپنی بیوی جو جک بیگم کے ساتھ حج کو چلا گیا۔ زندگی کے بقیہ ایام وہیں گذارے

آخر کار بمبارک میدان ۱۱ ذی حجہ سنہ ۹۶۴ھ میں مالک حقیقی سے جا ملا۔ انا للہ —

ملا بدایونی نے خاقانی کے رنگ میں اسکی وفات کا ماتم کیا ہے

ہرگز بباغ عہد گیا ہے وفا نکرد — ہرگز ز شست چرخ خدنگی خطا نکرد

"خیاط روزگار ببالای ہیچ کس — پیراہنی نہ دوخت کہ آخر قبا نکرد"

نقدے نداد دور کہ آنرا بدل نشد — نردے نباخت دہر کہ آنرا دغا نکرد

گردون بد آفتاب سلامت کرانشد — کو را چو صبح اوش اندک لقب نکرد

خاقانیا بچشم جہان خاک در فگن

کو درد چشم مردم دیدہ را دوا نکرد

مولانا قاسم کاہی نے تاریخ وفات اسطرح لکھی:—

کامران آنکہ پادشاہی را — کس نبود است ہمچو او در خورد

شد ز کابل بکعبہ دل ایا — جان بحق داد و تن بخاک سپرد

گفت تاریخ او چنین کاہی — بادشہ کامران بکعبہ مرد — لیکن اسکی تاریخ ۹۶۴ھ نکلتی ہے

"مرآۃ العالم" میں اسطرح ہے
بادشاہ کامران بکعبہ بمرد
۹۶۰

میر دلبی نے لکھا:— شہ کامران خسرو نامدار — کہ در لطف قدر سر بکیوان رساند

مجاور شد اندر حرم چار سال — بکلی دل از قید عالم رہاند

ز بعد وقوف حج چار مین — باحرام حج جان بجانان فشاند

چو در خواب دلبی در آن ہو شبے — عنایت نمود و [illegible] [illegible] خواند

بگفت او بپرسید تاریخ ما — بگو شاہ مردم در مکہ ماند ۹۶۴

نواب حسین علی خاں عشق مؤلف تذکرہ "گلشن عشق" نے تاریخ لکھی:

آخر برج سخن آں نکتہ داں   وہ چہ شام از اس جہاں شد دیگرانی

از پئے تاریخش بگفتم سال فوت   کامراں آسودہ در فردوس ہے   ۹۵۸ + ۳ = ۹۶۱

"مجمع النفائس" کے مؤلف نے مرزا کامراں کے حسب ذیل اشعار کو پسند کیا ہے —

باز داماں خود آں سرو بالا زدہ است   کس بدامانش مگر دست تمنا زدہ است

عیب ما چند کنی قصۂ صنعاں بشنو   کہ بیک شیوہ رہش دختر ترسا زدہ است

مرزا ابوالقاسم شوکتی یہ مرزا کامراں کا بیٹا تھا — شوکتی تخلص کرتا تھا — اکبر کے حکم سے پہلے قلعہ گوالیار میں قید ہوا،
پھر وہیں اسکے حکم سے قتل بھی ہوا — قتل کے وقت کہا جاتا ہے اسکی زبان پر یہ شعر تھا:

فلک بکشتن ما اینقدر شتاب مکن   بخواہم از ستمت مرد اضطراب مکن

اسکا دوسرا شعر ہے:

یار ہر شانہ کہ در زلف سمن سا زدہ است   نشتر غم بدل غمزدۂ ما زدہ است

۹۷۳
اسکے بعد کامراں کی کوئی اولاد نرینہ نہیں رہی — اسلئے کسی نے اسکے قتل کی تاریخ یوں کہی: — "نماند از کامراں نام و نشانی"

مرزا ہندال ہمایوں کا دوسرا بھائی ہے — "مخزن الغرائب" میں اسکی یہ رباعی درج ہے: —

زاں قطرۂ شبنم کہ نسیم سحری   از ابر جدا کرد بصد حیلہ گری

تا بر رخ گل چکاند ای رنگ پری   حقا کہ ہزار بار پاکیزہ تری!

مرزا عسکری ہمایوں کا تیسرا بھائی ہے — اسکے مندرجہ ذیل اشعار "مخزن الغرائب" میں درج کئے گئے ہیں: —

چناں بیخود شدم از دوری آں گلعذار امشب   کہ ہر دم گریہ ہا رو مید ہد بے اختیار امشب

چنیں کہ خو گرفتم با آشنائی تو   ہلاک میکندم آں قدر جدائی تو

گوشۂ میخانہ جائے دلکشائے بودہ است   بے تکلف گوشۂ میخانہ جائے بودہ است

ای عسکری از مست مدامی خوش باش در معتقه باده و جامی خوش باش

گفتی بخرابات نباشم بے او با یار اگر درس مقامی خوش باش

خواجہ حسین مروی — یہ حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی کی اولاد میں تھے — شہزادہ سلیم یعنی جہانگیر کی ولادت پر ایک قصیدہ اکبر کو پیش کیا جسکا پہلا مصرعہ اکبر کی تاریخ جلوس دوسرا مصرعہ سلیم کی ولادت ہے — قصیدہ کا مطلع ہے! —

الله الحمد از پئے جاہ و جلال شہریار (۹۶۳) گوہرے آمد از محیط عدل در کنار (۹۷۷)

اکبر نے اس قصیدہ پر دو لاکھ تنکے انعام دئے — فیضی کا استاد رہا — کلام کا نمونہ! —

گوئیم مگر ز اہل وفائیم، نہ ایم واندر صفت صدق و صفائیم، نہ ایم

آراستہ ظاہریم و باطن نہ چناں افسوس کہ آنچہ مے نمائیم، نہ ایم

ثنائی — خواجہ حسین نام — غیاث الدین علی باپ، مشہد وطن — ایران میں سلطان ابراہیم مرزا کا مداح رہا

کلام کا نمونہ! — ترک مستم چو کلہ گوشہ لیلا شکند نقد دلہا برد از طرہ و در پا شکند

ہر گرم تندئی خوئی تو عجب ظرفیست کہ نہ بر عارض دل رنگ تمنا شکند

قاصد شوق دگر قطرہ زناں مے آید کہ بدل شوق کسے از پئے جاں مے آید

شرط عشق است کہ ہم باز بدل بسپارند سخن دوست کہ از دل بزباں مے آید

در حوصلہ نہ فلک از عشق نگنجید ہر ذرہ کہ از خاک ثنائی بہوا رفت

میلی ہروی — قزلباشی امرا میں تھا — یہ بھی پہلے مشہد میں سلطان ابراہیم مرزا کے دربار میں رہا — ہندوستان آیا — ہندوستان میں آ کے حسین ثنائی — وحشی، غزالی سے معرکے رہے — اکبر کے دربار میں غزالی سے مناظرہ ہوا — غزالی نے حکمت عملی سے اسکو مغلوب کیا — اسکا اسے اسقدر صدمہ ہوا — کہ اسکو تپ آئی بخار چڑھ آیا — اور بیمار رہ کر مر گیا —

کلام کا نمونہ! — دانستہ کہ قدر تو با جان نمے بود گر خاک کشتگان گذری سرگران ہنوز

نہ آشنا و نہ بیگانہ نمیدانم کہ اختلاط چنیں را کسے چہ نام کند

بیقرار است دل اندر بدن کشتۂ عشق دیگر از یار ندانم چہ تمنا دارد

امتحان نام نہید دل ستمے کز تو کشد خویش را چند بایں حیلہ شکیبا دارد

میرم ز دہر اندوہگانم رحم مے آید کہ تو خوباں بیدادہا داری کہ با ما کردہ

نوری — ملا نورالدین محمد ترخان نوری سفیدوں نواح سرہند۔ اکبر نے خانی کا خطاب بھی دیا تھا۔ اسکے متعلق کسی نے

ز روی مکرمت وز راہ احسان بہ ترخان داد خانی شاہ عادل

ازیں خانی ہمیں ناحاصلست بروی ازیں نام سگرف اورا چہ حاصل

ز ترخانی ہم اورا شکوہ ہست بہ نزد خسرو دانای کامل

کہ غیر از خان خشکی مے نماند ز ترخانی تری گردد چو زائل

دل تنگ دور از آں لب خنداں نشستہ ام مانند غنچہ سر بگریباں نشستہ ام

توسنی — نام منوہر۔ سانبرہ کے راجہ لون کرن کا لڑکا تھا۔ اکبر نے مرزا منوہر خطاب دیا۔ وہ اپنے کو محمد منوہر لکھتا تھا۔ شعر:

شیخ مستغنی بدین و برہمن مغرور کفر مستی حسن یار را با کفر و ایماں کار نیست۔

تقی الدین — ششتری تھا۔ کلام کا نمونہ:

گر دست ندہدم کہ بہ رویت نظر کنم بارے دہاں بیاد لبت پر شکر کنم

با آنکہ ہیچ سبزہ بجز کم نشاں ندہ دست و دلی کجاست کہ کے بسر کنم

جدائی — سید علی نام۔ اکبر کے دربار مصور تھا۔ اکبر کے حکم سے داستان امیر حمزہ کی ۱۲ جلدوں کو مصور بنایا۔ کلام کا نمونہ

صبحدم خار دم از ہمدمی گل میزد ناخنی در دل صد پارۂ بلبل میزد

حسن بتاں کعبۂ الست، عشق بیابان او سرزنش ناکساں خار مغیلان او

نیم بسمل صیدم و افتادہ دور از کوی دوست میروم افتان و خیزاں تا بہ بینم روی دوست

جعفر بیگ - قزوینی - عہدہ بخشی پر مامور ہوا اور "آصف خان" سے مخاطب - کلام کا نمونہ :-

رسید و مضطربم کرد و آنقدر ننشست | کہ آشنائی دل خود کنم تسلی را
شہر گنجائش غمہای دل ما چو نداشت | آفریدند برای دل ما صحرا را

حیاتی - گیلانی - حکیم ابوالفتح گیلانی کے دربار میں منسلک رہ کر اس کی وساطت سے اکبر کے دربار میں پہنچا - کلام کا نمونہ

بہر سخن کہ کنی خویش را نگہبان باش | ز گفتنی کہ دلی بشکند پشیمان باش
بہ پای حرص کہ گر شغل روزگار این است | ز دور بیم قدم دام کن گریزان باش
اس سبزہ دامن صحرا بوئے جنون دارد | دیوانگی وحشی امروز شگون دارد

جہانگیر کے دربار میں رسائی ... شاہ عباس ... جہانگیر ... خسرو ... سلیمان ... قصہ ... تحریر میں ... اور دوسرا ... العام دیا

میر دوری - سلطان بایزید نام - خط نستعلیق میں ہندوستان میں اسکا کوئی مد مقابل نہ تھا - کلام کا نمونہ :-

گہ در درون جانی گہ در دل حزینی | از شوخی کہ داری یکجا نمی نشینی -

رفیعی - میر حیدر رفیعی - کاشی - آخر عمر میں کاشان واپس چلا گیا - معما اور تاریخ گوئی میں یکتا تھا اسکی رباعی ہے :

زاہد بکند گنہ کہ قہاری تو | ما غرق گناہیم کہ غفاری تو
او قہاریت خواند و ما غفاریت | یارب بکدام نام خوش داری تو

زین خان کوکہ - اکبر کا رضاعی بھائی تھا - دربار کا جلیل القدر امیر - شہزادہ سلیم کا خسر - اسکا شعر ہے

آرام نمی دہد این چرخ کج خرام | تا رشتۂ مراد بسوزن در آورم -

وفائی اصفہانی کا ہے یہ بیت

سرمدی اصفہانی - محمد شریف نام - پہلے فیضی تخلص کرتا تھا - فیضی کیجانب اکبر کی سفارش پر بدل کر سرمدی تخلص کیا -

ز گرمی خوئی عصیان چہا بخود کردیم | بہ پشت گرمی رحمت چہ جرأتہا داریم
بہ گلشنی نی دل ما بر شوق فشاندیم | کہ رشکہا ز آمدن و رفتن صبا داریم
بغیر وصل نگار آرزو نیست عاشق را | ہنوز ما ہوای بخت کارہا داریم

سیدی - نام سید شاہ - گرم سیر سادات میں سے تھا - سکندر قلیچ محمد خاں کابل کے پاس جا کر ملازم ہوا - اسکا شعر ہے :-

اول سرگرمئی عشق است و دل در اضطراب | ہمچو طفل کو تشنہ ہنگام بیداری ز خواب

شیری - ملا شیری پنجاب کے شیخ زادگان میں سے تھا - بقول ابوالفضل اکبر ہی کی توجہ سے اسکو درک حاصل ہوا - نادر الکلام تھا

آفتاب پر اسکی مثنوی "شمع جہاں افروز" کے نام سے لکھی - کلام کا نمونہ :-

ای جہان در قبضۂ حکمت بضرب تیغ و تیر | تاجدار تخت و بخت از فیل و از سپاه آفاق گیر

تاج و تخت و تیر و تیغت ہر دو برق و شہاب | در شمار فیل اسپت گشتہ عاجز صد دبیر

سمع تیرت
ابد و عقد و دارد سوال

گفتم ای دل زچہ اوضاع جہان گشت بدل | گفت خاموش کہ در مغز فلک رفتہ خلل

گفتم از چاہ امید آب تمنا نرسد | گفت کوتہ بود از وی رسن طول امل

گفتم از بخت بتفصیل شکایت دارم | گفت باید بشہنشاہ نمودن مجمل

گفتمش اکبر جم قدر و سلیمان دانش | گفت خاقان بلند اختر و خورشید محل

گفتم آن ذات نبی را بتعظم ثانی | گفت آن خلق خدا را بتفضل اول

گفتم اصل و نسبش لازم تاج است و سریر | گفت لطف و کرمش حامی ملکست و ملل

بابا طالب - بابا طالب اصفہانی - اکبر نے شیخ ایلچی بنا کر بھیجا وہاں کے حالات ایک رسالہ میں قلمبند کر کے لایا - ابوالفضل نے اکبر نامہ میں شامل کیا - اسکی رباعی ہے :- | در دلش منشی تھا

زہیرم بفراق خود چنانی کہ چہ شد | خون ریزی و کشتن فشانی کہ چہ شد

ای غافل از آن کہ تیغ بیجرم کرد | خاکم بتفاخر (تفاخر) تا بدانی کہ چہ شد

عزیزی - میر عزیز اللہ نام - قزوین وطن - ایک دیوان - شہر آشوب - "گل و مل" "درج القناعۃ" رسالہ منظوم اہل مجمع کا ملحوظ

کلام کا نمونہ ! ————

نیست بر ہر سوی مژگان دیدۂ نمناک را — بر کنار افگندہ موج اشکِ من خاشاک را

تنِ سیمیں تشنہ او را ز جا کیب پیرہن پیدا — سمن در باغ خوبی شد ز برگ یاسمن پیدا

چنیں کافتادہ در راہِ غم و محنت چو خاکم — نیم لطف و احسانت مگر بردارد از خاکم

میرزا عزیز کوکہ — اتکہ خان کا لڑکا اور اکبر کا پیارا رضاعی بھائی تھا ۔ ہفت ہزاری امیر اور "خان اعظم" کے خطاب : ۔

آگرہ میں ایک باغ "جہاں آرا" کے نام سے بنوایا ۔ نقشِ درگاہ میں اپنی یہ رباعی لکھوائی ! —

یارب بصفای دل ارباب تمیز — کاں نزد تو نیست هیچ تر از همه چیز

چوں گشت بتوفیق تو این خانہ تمام — از راہ کرم فرست مہمانِ عزیز

جہانگیر نے اسکی یہ رباعی اپنی تزک میں پسندکرہ درج کی ہے : —

عشق آمد و از جنون برومندم کرد — وارستہ ز صحبت خردمندم کرد

آزاد ز بند دین و دانش گشتم — تا سلسلۂ زلف کسی بندم کرد

مولانا شبلی نے شعر العجم (سوم) میں اسکا یہ مطلع لکھا ہے ! ۔

گشت بیمار دل از رنج و غم تنہائی — ای طبیبِ دل بیمار چہ میفرمائی

مقیمی سبزواری، جعفر ہروی، مدامی بدخشی اور حیدری اسکے دربار کے مقبول شعرا تھے —

عنایت اللہ خان — شیرازی ۔ خوشنویس اور شاہی کتب خانہ کا کتابدار تھا ۔ اسکی رباعی ہے ! —

تا کاکل و زلف مشکبوی خم بخم است — تا شیوہ و رفتار بتان خم بخم است

تا ناوکِ غمزہ در کمان ستم است — مرگ من و زندگی من در یکدم است

نشانی — علی احمد نام مہرکنی پیشہ ۔ حسین نقشی دہلوی مہرکن کا بیٹا ۔ عالم ہیئت و طبیعیات ۔ اور خطاط وحید کر ۔ جہانگیر کا استاد

تسخیر گجرات پر اکبر نے جب نیا سکہ جاری کیا ۔ تو انہی نے وہ سکہ بناکر اسپر یہ تاریخ کندہ کی

خسروا سکۂ گجرات بنام تو زدند   ملک را سایۂ عدل تو مبارک بادا

ای خوش آنکہ چو تاریخ وی از من پرسی   گو بمیرت سکۂ گجرات مبارک بادا (۹۸۰)

جہانگیر کے دربار میں بھی معزز رہا۔ "بصد خون برابر است" والے اشعار میں جہانگیر کو اسکا شعر بہت پسند آیا:-

ای محتسب ز گریۂ پیر مغاں بترس   یک خم شکستن تو بصد خون برابر است

آخر جہانگیر کی ایک محفل سماع میں مطرب نے یہ بیت پڑھی:-

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے   من قبلہ راست کردم بر طرف کج کلاہے

جہانگیر نے اہل مجلس سے اس شعر کا مطلب پوچھا۔ مولانا ثانی پر ایک وجد کی سی حالت طاری تھی۔ اسی حالت میں رقص کرتے ہوئے اور تالیاں بجاتے ہوئے تخت کے سامنے آئے۔ اور کہنے لگے۔ ایک روز جمنا کے کنارے ہندو عورتیں اور مرد نہا رہے تھے۔ کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اپنی خانقاہ سے حضرت امیر خسرو کے ساتھ نکلے دریا کے کنارے نظر اٹھائی تو یہ مصرع زبان مبارک سے نکلا:- "ہر قوم راست راہے، دینے و قبلہ گاہے" ۔ امیر خسرو نے فی البدیہہ عرض کیا کہ: "من قبلہ راست کردم بر طرف کج کلاہے"

حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی ٹوپی مبارک بر اس وقت کج تھی جو تھوڑی سی کج تھی:- مولانا ثانی نے بھی اسکی تتبیع میں تشریح کے وقت اپنی کلاہ کو کج کیا۔ اور وجد کی حالت بسمل کی طرح رقص کرتے ہوئے فرش پر گر پڑے۔ حاضرین کو خیال ہوا کہ بیہوش ہو گئے۔ جہانگیر اپنے استاد کی حالت دیکھ کر سخت پریشان ہو گیا۔ تخت سے اتر کر انکا سر اپنے پر رکھا۔ اسی اثنا میں مولانا کی روح پرواز کر گئی۔

مامی

میر محمد معصوم خان نامی۔ انکے آبا ترمذ سے آکر بھکر میں متوطن ہوئے۔ طبقات اکبری کے مؤلف خواجہ نظام الدین کے ذریعہ اور گجرات کے صوبیدار شہاب الدین خان کی وساطت سے شاہی دربار میں پہنچا۔ ایران کا سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ وہاں سے وہ تبریز پہنچا۔ حکیم شفائی محمد رضا فکری۔ اور تقی اوحدی کی صحبت میں شعر و شاعری کا شغل جاری رکھا۔ واپسی پر جہانگیر نے بھکر میں امین کے عہدہ پر مامور کیا۔ اپنی دیانت، امانت، شجاعت، سخاوت، زہد اور تقوی کی وجہ سے عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ طب میں رسالہ مفردات معصومی۔ سندھ کی تاریخ، تاریخ معصومی کے نام سے۔ دیوان کے علاوہ خمسہ جو پنج نامہ بھی موسوم تھا لکھی۔ سنگ تراش اپنے ساتھ رکھتا تھا اپنے اشعار پتھروں پر کندہ کرا کر دور دراز مقامات پر نصب کرا دیتا تھا۔ اسکی دو رباعیاں یہ ہیں:-

یک حصۂ عمر من بنادانی رفت — یک حصہ ازاں چنانکہ میدانی رفت

یک حصہ بہ بیہودہ و بیکار گذشت — یک حصہ بافسوس و پشیمانی رفت

تا کے دل از این و آن پر از کینہ کنی — تا چند بزر سینہ چو گنجینہ کنی

کار این نبود کہ تیرہ سازی دل را — کار آن بود دل چو آئینہ کنی

غزالی — میر محمد نام، خاں کلاں خطاب۔ اکبری دربار کا جلیل القدر امیر۔ سنبھل کی حکومت دنوں اسکو شیخ سعدی کا مطلع "دلے کہ عاشق و صابر بود مگر سنگ است — ز عشق تا بصبوری ہزار فرسنگ است" پڑھا گیا۔ اسنے فوراً اس کا

دلے کہ چہرۂ ساقی ز بادہ گلرنگ است — بہوش بادہ برآواز نے کہ دل تنگ است — اسکے دوبار ایک

جلال خاں بدایونی نے بھی ایک مطلع موزوں کرکے پڑھا:—

ترا رخ از مئی عشرت مدام گلرنگ است — مرا لبسکہ دہانت چو غنچہ دل تنگ است — غزالی کے دو اور شعر

در جوانی حاصل عمرم بنادانی گذشت — آنچہ باقی ماندہ بود در پریشانی گذشت

کس آب بجز مردم چشم نہ دہد — جز آہ سحر شمع تربت مرا

ہمدمی — مرزا جلمہ بیگ نام۔ کامران کے کوکہ ہمدم بیگ کا لڑکا تھا۔ مرزا برخوردار بھی کہلاتا تھا۔ خان عالم خطاب تھا۔ مرزا کامران ہمایوں سے شکست کھاکر اور لبادت سے عاری ہو کر جب یکہ و تنہا گیا۔ تو ہمدمی ہمایوں کی ہمرکاب مرزا اور بیت پڑھی: "کلاہ گوشۂ درویش بر فلک ساید — کہ سایہ ہمچو تو شاہے فگند بر سر او"۔ اور پھر یہ شعر پڑھا

ہر جانم ہر چہ از تو رسد جای منت است — گر ناوک جفا است دگر خنجر ستم — ہمایوں متاثر ہوا۔ نوازش کی۔ پھر اکبر نے بھی منصب اور خان عالم کا خطاب دیا۔ سنہ ۹۹۲ھ میں اوڑیسہ کی لشکر کشی کے سلسلہ میں مارا گیا۔

اکبر نے آصفی کے ایک مطلع پر مطلع لکھنے کی فرمائش کی۔ آصفی کا مطلع:

قائل من چشم ے بندد دم لبسمل مرا — تا بماند حسرت دیدار او در دل مرا — ہمدمی نے کہا

آمد و بگذشت از دل پیراں قاتل مرا — ماند تا روز قیامت داغ او در دل مرا

فیضی نے بھی ایک قطعہ کہا ہے!-

بابرو بگذار ای قاتل دم بسمل مرا — تا بایں تقریب پابوسے شود حاصل مرا

سعدی کا ایک قطعہ ہے!- ایکہ کردی بہرزہ ریش سفید — یک بیک می کنی ز بہر نمود

بزیاں دادۂ جوانی را — ریش کندن کنوں ندارد سود

آتشی

میر آتشی قمی - بن سید علی محتسب - غزالی وغیرہ سے شاعرانہ معرکہ رہے - غزالی نے اسکی ہجو لکھی - بدایونی نے بہ نمونۂ کلام دیے ہیں

از بسکہ سنگ بر سر زد بے تو سینہ چاکے — آں سنگ در کف او گردید مشت خاکے

بے سنگ از غمت بر سر دل تنگ خواہم زد — اگر دستم رود از کار سر بر سنگ خواہم زد

اگر خواہم کہ در راہ تو از سنگ بلا استم — ز ہر سو بر سر آید سنگ و نگذارد ز پا استم

مؤخرالذکر شعر پر بدایونی کہتے ہیں - کہ مضمون سنگ پر اس سے بہتر شعر کہنا مشکل ہے ــــ

فکری

سید محمد نام - خراسان وطن - اکبر کا قصیدہ خوان رہا - رباعی کہنے میں شہرت رکھتے تھے - لہذا میر رباعی کہلاتے تھے - اسکی رباعی ہے

زاں بت ہمہ غم نصیب ما خواہد بود — بیداد و ستم نصیب ما خواہد بود

تا عمر بود از آں قد و زلف و دہاں — پیوستہ الم نصیب ما خواہد بود

فیضی سرہندی

اکبری دور کا بلند پایہ شاعر تسلیم کیا گیا ہے - ملک الشعرا فیضی نے بھی ایک قطعہ میں اسکی تعریف کی ہے کلام کا نمونہ!-

ای قبلۂ جاں کعبۂ من کوی تو باشد — محراب نمازم خم ابروی تو باشد

گر جانب مسجد گذرم ور طرف دیر — ہر جا کہ روم روی دلم سوی تو باشد

زاہد تو ز مستی منگر پستی ما — حرف رہ نیستی شدہ ہستی ما

ما مست تجلیم و تو مست غرور — فرقیست ز مستی تو و مستی ما

فسونی

سید محمود بیگ نام - انواع علوم پر عبور تھا - اکبر کے علاوہ جہانگیر اور شاہجہان کے دربار سے بھی منسلک رہا - جہانگیر نے افضل خان کا خطاب دیا-

خواب راحت شد از آں دیدہ کہ دیدن داشت — رفت آسایش از آں دل کہ طپیدن داشت

خبردار آں زماں خواہی شدن از سوز پنہانم — کہ آتش سر بروں آوردہ باشد از گریبانم

فنائی

ہروی - چغتائی نسل سے تھا - تمام عمر اکبر کی بارگاہ میں رہا - کلام نمونہ :-

نگویم بہر تشریف قدومت خانہ دارم   غریبم خاک در گوشۂ ویرانہ دارم

تا گل روی تو از بادۂ گلفام شگفت   بادہ از عکس گل روی تو در جام شگفت

فیروزہ کابلی

شاعری علاوہ موسیقی سے بھی ذوق رکھتا تھا - شعر فہمی کی اچھی صلاحیت رکھتا تھا !-

غمزہ منظور نظر ساختۂ یعنی چہ   بندہ را از نظر انداختۂ یعنی چہ

کس ندیدیم بدور تو بپای حسن و دل (جمال)   قیمت حسن برانداختۂ یعنی چہ

برافراختہ ہو یا صحیح یا ہے

حیدری

تبریزی - تین بار ہندوستان آیا - پہلی بار قاسم خان بنت پوری کے دربار میں پہنچا - ہندوستان کی السنہ ایا
ہجو لکھی اور واپس چلا گیا - پھر آیا - خان اعظم مرزا کوکہ کے ہاں پہنچا - ایک قصیدہ کہا - خان اعظم نے دو ہزار روپیہ صلہ عطا کیا اور گھوڑا دیا

خان اعظم کے باپ اتکہ خان کی

قصیدہ کا مطلع :- بنزد اہل سخن چون کنم بیان سخن   اگر مدد نکند روح صاحبان سخن

دوسری دفعہ سے اکبر کے دربار میں پہنچا - اکبر کے ہاتھی کی ایک قصیدہ میں یوں تعریف کی !-

بنود لشتہ کی رنگ روان   فیلہائی کہ در صف ہیجاست

کز پی غرق کردن اعداء   ہر طرف موج ہائی بحر بلاست

ایک اور قصیدہ کے چند اشعار

اما چو روزگار مددگار من نبود   زان شاخ گل بپای دلم خار غم خلید

نشنید شاہ عقدہ کشا عرض حال من   نگشود قفل آرزوی من ازین کلید

ناچار آب دیدۂ تر غرق بحر غم   کز غیب این ترانہ بگوش دلم رسید

"حافظا وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس   در بند آن مباش کہ نشنید یا شنید

انعام - اکبر نے خلعت وغیرہ کے علاوہ کچھ روپیے بھی انعام دئے - مگر شاہی خزانہ سے ملنے میں دیر لگی تو یہ قطعہ لکھ کر بھیجا -

مشکلی دارم ز شہا خواہم کنم پیش تو عرض   زانکہ زین مشکل مرا صد داغ حسرت بر دل است

سیم و زر انعام کردی لیک حاصل [illegible]   [illegible] تا گرفتن مشکل است

شیری یار خانخاناں کے دربار میں تھا - مگر ھندوستان واپس چلا گیا - اور وہیں ۹۹۳ھ میں وفات پائی -

حالتی — ترما جانی بیگ ارغون - ٹھٹھہ کا حاکم اور فراست و دانائی کیلئے مشہور تھا -

خوش آں وقتے کہ عشق غمخوارم بود — آہ شب و گریۂ سحر کارم بود
بر گردی چرخ بیں کہ با من نگذاشت — کالائے غمے کہ زیب بازارم بود

میر رضی سمانانی — فوجی عہدہ دار تھا - دکن کے اکثر علاقے اسی نے فتح کیے - جہانگیر کے زمانہ میں وفات پائی -

ای از رخ تو ما را صد عیش و کامرانی — در عیش و کامرانی صد سال زندہ مانی -

اسد بیگ قزوینی — ابو الفضل کے دربار میں سترہ سال ملازم رہا - اسے شیخ ابو الفضل کہلایا - جہانگیر کے دربار میں بھی رہا -

ز صبحدم نفسے پیشتر شدم بیدار — لب پیالہ گرفتم ببوسہ چوں لب یار
خون مرا مریز کہ ترسم خجل شوی — چوں ساقئ کہ ریختہ باشد شراب را
خون مرا بریز و شراب مرا مریز — یک قطرہ زیں شراب بصد خوں برابر است
ہر گہ خیال آں گل خود روی میکنم — دل سکتہ خیال کہ گل بوی میکنم

۵۴ شاعری کے علاوہ وقائع اسد بیگ کے نام سے کچھ اپنے چشم دید کوائف لکھے جس میں ابو الفضل کی قتل کی تفصیلات ہیں

اکبری دربار کے اور شعرا - حروف الہجائی:

ملا قیدی شیرازی - قاسم ارسلان - یادگار حالتی - ظریفی ساوجی - شفقی بخاری - ملا صبوحی کابلی - حیفی ساوجی، حاکم بحری، نویدی، فارغی، وقوعی خسروی، نیازی سمرقندی - میر حزنی، نظری کشمیری، بیرام سقا، محمد صالح دیوانہ، عارفا، اسیری، [illegible] قاسم علی غباری - حسابی ملا محمد کفنی نام - روغنی خنجر بیگ - ثانی خان ہروی، تشبیہی کاشی،

جہانگیر

جہانگیر دعاؤں سے پیدا ہوا - حوصلوں اور تمناؤں میں پلا - اور ناز و نیاز کے ساتھ بڑھا - ہوش سنبھالا - تو اپنے کو
علم و کمال کے گہوارہ میں پایا - جب چار سال چار مہینے اور چار روز کا ہوا - تو حسب دستور تیموری خاندان علم پرور باپ نے اسکی رسم مکتب کی
تقریب انجام دی - اور ملک الشعرا فیضی اور مولانا میر کلاں ہروی محدث کو اسکی تعلیم کیلئے مامور کیا - قطب الدین خان اتکہ اور عبدالرحیم خانخاناں
اسکے اتالیق مقرر ہوئے - مولانا علی احمد نشانی دہلوی بھی اسکے استادوں میں تھے - یہ ہیئت، طبیعیات، املا، انشا اور جغرافیہ میں
اپنی نظیر آپ تھے - جہانگیر نے چہل حدیث سید صدر جہاں سے پڑھی - عبدالرحیم خانخاناں سے ترکی زبان سیکھی - ایسے استادوں اور
اتالیقوں کے فیض تعلیم کا جو نتیجہ نکلنا چاہئے تھا - وہ ہوا - وہ علم و سخن کے آسمان کا مہر درخشاں بنکر چمکا -

اسکی نثاری دیکھنی ہو - تو اسکی تزک جہانگیری میں اسکا ثبوت مکمل طور پر مل سکتا ہے - اپنی نثر میں نظم کو اس طرح اور اس انداز
میں برمحل لکھتا ہے - کہ اسکے استعمال کا بہتر موقعہ اور محل پانا دشوار دکھائی دیتا ہے - کشمیر کی تعریف آپ نے بہار کے ایام، گل و سبزہ کی
فراوانی - چشمہ ساروں کی روانی - کوہساروں کی دلکشی وغیرہ وغیرہ کا الفاظ میں فوٹو کھینچنے کے ساتھ ساتھ اچانک لکھنے لگتا ہے:-

شده جلوه گر نازنینان باغ — رخ آراسته هر یکی چون چراغ
شده مشکبو غنچه در زیر پوست — چو تعویذ مشکین ببازوی دوست
غزل خوانی بلبل صبح خیز — تمنای میخوارگان کرده تیز
بهر چشمه منقار بط آب گیر — چو مقراض زرین بقطع حریر
ببساط گل و سبزه گلشن شده — چراغ گل از باد روشن شده
بنفشه سر زلف را خم زده — گره در دل غنچه محکم زده

جہانگیر کی قادرالکلامی صرف نثر تک ہی محدود نہیں تھی - بلکہ نکتہ سنج و ادیب ہونے کے ساتھ وہ شعر و شاعری کا بھی اعلیٰ ذوق
رکھتا تھا - بقول مولانا شبلی سلسلۂ تیموریہ میں جو فرمانروا سخن فہم و اداشناس گذرا ہے - لیکن جہانگیر اس فن میں اجتہاد
رکھتا تھا - اسنے اپنی فطری عاشق مزاجی کو آئین و نظام سلطنت میں چنداں نمایاں نہ ہونے دیا - یہانتک کہ تزک میں نور جہاں کا

جہاں جہاں دکھایا ہے متعلق نہیں معلوم کیا - کہ یہ نام انکی زبان سے لذت لیکر نکلتا ہے — ایسے انکی شاعری کے نمونے یہ ہیں -

نی چون کنم که تیر غمت بر جگر رسد / تا چشم نارسیده دگر بر دگر رسد

مستانه میخرامی و مست و عاشقی / اسپند میکنم که مبادا نظر رسد

در وصل دوست مستم و در هجر بیقرار / داد از چنین غمی که مرا سر بسر رسد

مدهوش گشته ام که بسویم ره وصال / فریاد از آن زمان که مرا این خبر رسد

وقف نیاز و عجز جہانگیر ہر سحر

امید آنکه شعلهٔ نور اثر رسد

ما نامه بر برگ گل نوشتیم / شاید که صبا باد رساند

رباعی :- هر کس بضمیر خود صفا خواهد داد / آئینهٔ خویش را جلا خواهد داد

هر جا شکستهٔ خود دستش گیر / بشنو که همین کاسه صدا خواهد داد

" ای آنکه غم زمانه پاکت خورده / اندوه دل وسوسه تاکت خورده

مانند قطره‌های باران بزمین / جا گرم نکرده‌ای که خاکت خورده

امیر الامرا کا یہ شعر اسکے سامنے ایک دفعہ پڑھا گیا — ~~تو اسی خورا~~

بگذر مسیح از سر ما کشتگان عشق / یک زنده کردن تو بصد خون برابر است — تو جہانگیر نے فوراً کہا یا داد

ای مشتاب رخ که بنیم جی تو یک زملق (نفس) / یک دل شکستن تو بصد خون برابر است

اسکی سمع میں عرض کیا تو ان کی نے کہا :- ای محتسب گریهٔ پیر مغان بترس / یک خم شکستن تو بصد خون برابر است - یہ جہانگیر کو بہت پسند آیا

حالی ہانی حاجی کی غزل :- "ابر تنگ گل زحمت صد خار میباید کشید" پر غزل لکھی - جہانگیر کو پسند آیا — تو فوراً کہا ! —

ساغر می بر رخ گلزار میباید کشید / ابر بسیار است و می بسیار میباید کشید —

ماوراء النہر کے درویش منش بزرگ خواجہ ہاشم سے جہانگیر کو خاص عقیدت تھی۔ ایک خادم حسب مذکور کے ہاتھ اپنے اظہار عقیدت جہانگیری اور ایک ساتھ اپنی کہی ہوئی یہ رباعی لکھ بھیجی! —

(نقل ایطرح عالی ممکن ہے)

ای آنکہ مرا مہر تو بیش از بیش است | از دولت یاد تو دلت ای درویش است
چندانکہ ز خردہ ات دلم شاد شود | شادم افزانکہ لطفت از حد بیش است

اسکے ساتھ جہانگیر دربار میں حکم دیا اسی مضمون اپنا رباعی کہتے میں طبع آزمائی کیجائے۔ حکیم مسیح الزمان نے رباعی کہی! —

داریم اگرچہ شغل شاہی در پیش | ہر لحظہ کنیم یاد درویشان بیش
گر شاد شود ز ما دل یک درویش | آنرا شمریم حاصل شاہی خویش

جہانگیر نے خوش ہوکر حکیم مذکور کو ایک ہزار روپیہ انعام میں دیا —— ۶ سنہ جلوس میں جہانگیر نے وضع سمونگر شکار کھیلنے گیا۔ ایک دات شعر کہا:

بود مرا آسمان تا چہرا نور | سادا عکس او از چتر شہ دور

اور قصہ خوانی کو تاکید کی کہ سلام وصلوٰۃ پڑھنے وقت یہ شعر بھی پڑھا جائے —— ایک شکارگاہ میں جہانگیر کے شیر نے ایک کاہرن کا شکار کیا۔ جہانگیر نے خوش ہوکر کہا! — "چیتہ پادشہ زد کالہ" طالب آملی نے جو ساتھ تھا فوراً کہا۔ "گفت صحرا زخجل برا زالہ"

جہانگیر نے خوش ہوکر پانچ ہزار روپیہ انعام دئے —— ایک بار جہانگیر نے پانی پینے کو مانگا۔ مٹی کا کوزہ میں پانی لایا گیا۔ کوزہ نازک تھا — لانے والے کا ہاتھ میں جنبش ہوئی۔ کوزہ ٹوٹ گیا۔ جہانگیر نے اپنے ہمراہ نواب قاسم خان جو نورجہاں کی حقیقی بہن منیجہ بیگم کا شوہر تھا کیطرف دیکھکر فوراً کہا!— "کارہ نازک بود واب آرام نتوانست کرد" قاسم خان نے بھی فی البدیہہ کہا "دید حالم را و چشمش ضبط اشک " شعر اسطرح بنا! — دید حالم را و چشمش ضبط اشک خود مگرد | کارہ نازک بود و آب آرام نتوانست کرد —

۱۲ سنہ جلوس میں سید عبداللہ خان بارہہ شاہزادہ خرم کی یہ عرضداشت لیکر آیا۔ کہ عادل خان عنبر اور دکن کے تمام مرکشوں نے اطاعت اختیار کرلی ہے۔ جہانگیر نے سید عبداللہ کو سیف خان کا خطاب دیا۔ شہزادہ خرم کیلئے ایک لعل بے بہا بھجوایا اور عادلخان کے نام فرمان جاری کیا اور لکھا:

شدی از التماس شاہ خرم | بفرزندی ما مشہور عالم —

لکھ بھیجی

اسکے دوسرے سال عادل خان نے جہانگیر سے اسکی ایک تصویر کی درخواست کی۔ جہانگیر نے ایک لعل گراں بہا ساتھ اپنی تصویر اور اسکی ایک رباعی

ای بحق تو دایم بنظرِ رحمتِ ما — آسوده نشین بسایهٔ دولتِ ما

سوی تو شبیه خویش کردیم روان — تا معنی ما ببینی از صورتِ ما

۱۰۱۳ھ میں جہانگیر کلانور میں مقیم تھا۔ کہ خان عالم جو شاہ عباس پاس ایران قاصد بنا کر بھیجا گیا تھا۔ واپس آیا۔ تو اسے عطا

جہانگیر کے ہاتھ کا یہ مطلع لکھا تھا:— "بسویت فرستاده ام بوی خویش + که آرم ترا زود تر سوی خویش"

جہانگیر کے طلائی سکوں پر یہ بیت لکھی ہوئی تھی:— "بخطِ نور بر زر کلکِ تقدیر — رقم زد شاه نورالدین جہانگیر"

۱۰۱۴

سکے کے دوسری طرف تاریخی شعر:— "شد چو خور زین سکه نورانی جہان — آفتابِ مملکت تاریخ آن"

ایک اور سکہ پر یہ تھا:— روی زر را ساخت نورانی برنگِ مہر و ماه + شاه نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاه = نورجہاں کے اقتدار کے سکہ پر

بحکم شاه جہانگیر یافت صد زیور — بنام نورجہاں بادشاه بیگم زر

کسی شاعر کا اسکی مدح میں:— "ای تاج دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا" کہنا۔ اور جہانگیر کا اسکی تقطیع کے لحاظ سے حروف پر بتا کے اسکی عرض

دانی کی ایک بیّن دلیل ہے —

جہانگیر کے زمانہ میں "مئی" تخلص کا ایک شاعر تھا۔ جو قوم کا دلال تھا۔ طلالوں کی قوم شاہی درباروں میں دربانی اور چاؤشی کیلئے مخصوص تھی

مئی نے نورجہاں کے توسل سے جہانگیر کے دربار میں محض شاعری کی تقریب سے رسائی پیدا کرنی چاہی جہانگیر نے کہا ان لوگوں کا کام چاؤشی یعنی جلادی کا

اہتمام ہے۔ انکو شاعری سے کیا مناسبت۔ لیکن نورجہاں کی خاطر شعر پڑھنے کی اجازت دی۔ مئی نے یہ شعر پڑھا

مئی بگریه سر دارد ای نصیحت گر — کناره گیر که امروز روزِ طوفان است

جہانگیر نے کہا دیکھا وہی اپنے پیشہ کی رعایت۔ دوسرے موقعہ پر پھر نورجہاں بیگم نے تقریب کی۔ مئی نے مطلع پڑھا۔

من مردم و برق زنان شعلهٔ آہم — ای ہمنفسان دور شوید از سرِ راہم

جہانگیر نے تبسم کر کہا۔ وہ اثر کہاں جا سکتا ہے —

جہانگیر کے طبعی ذوق فطری مذاق کا اندازہ اسکے منتخب کردہ (اپنی) اشعار اور پسندیدہ ابیات سے کیا جا سکتا ہے —

سنہ ۱۳ جلوس میں مانڈو (فتح پور) کے ایک شال کے قریب سے گزر رہا تھا۔ تو وہاں ایک پتھر پر ایک رباعی لکھی ہوئی دیکھی تو اسکے بارہ میں لکھتا ہے:- "درمیان شال نشیمنے از سنگ واقع است بر یکے از ستونها رباعی شخصے ثبت نموده بود بنظر درآمد و آن را از جا درآورده الحق از شعرهای خوب است

رباعی:- یاران موافق همه از دست شدند / در پای اجل یکان یکان پست شدند

بودند تنک شراب در مجلس عمر / یک لحظه ز ما پیشترک مست شدند — اسکے بعد لکھتا ہے:-

درین وقت رباعی دیگر هم شنیده شد ازین عالم، چون بسیار خوب گفته آن را نیز نوشتم:- رباعی (از حسن بیگ عقیمی)

افسوس که اهل خرد و هوش شدند / از خاطر همدمان فراموش شدند

آنانکه بصد زبان سخن میگفتند / آیا چه شنیدند که خاموش شدند

ایک بار سلطان قوام کے بیٹے حسینی کی ایک رباعی اسکے سامنے پڑھی گئی اسکو پسند ہوئی تزک میں اسکو نقل کیا ہے:-

گردی که ترا ز طرف دامان ریزد / آب رخ سرچشمهٔ حیوان ریزد

گر خاک درت با منت خلق برند / از روی عرق جبین شاهان ریزد — یہ لکھکر لکھتا ہے —

"معتمد خان درین وقت رباعی خوانده مرا بغایت خوش آمد — در بیاض خود نوشتم:- (رباعی بابا طالب اصفہانی کی)

زهرم ز فراق تو چه حاصل که چه شد / خون ریزی و آستین فشانی که چه شد

ای غافل از آنکه تیغ هجر تو چه کرد / خاکم بفنا رفت و ندانی که چه شد

سلطان سنجر کے ملک الشعرا۔ امیر معزی کا ایک قصیدہ جو اسنے سلطان کی مدح میں لکھا تھا — اسکے سامنے پڑھا گیا جسکا مطلع ہے۔

ای آسمان مسخر حکم روان تو / کیوان پیر بندهٔ بخت جوان تو

اس مطلع کو سنکر وہ محظوظ ہوا اور اس قصیدہ کی تعریف تزک میں کرتا ہے — کہ " بغایت بلیغ و هموار گفته" —

سعیدائے زرگر ہاشمی نے اسکے تتبع میں ایک قصیدہ لکھکر پیش کیا — تو اسکی تعریف کر کے مندرجہ ذیل اشعار اسمیں سے تزک میں نقل کئے ہے

ای نُه فلک نمونهٔ از آستان تو | دوران پیر گشته جوان در زمانِ تو

بخشد دلِ تو فیض و نگوید سبب چہ بہر | جانہا ہمہ فدائی دلِ مہربانِ تو

در باغ قدرت است فلک یک ترنج سبز | انداختہ بروی ہوا باغبانِ تو

یارب چہ گوہری تو کہ او حشت در ازل | جانہائے قدسیان ہمہ از نور جانِ تو

بادا جہاں بکامِ تو ای بادشاہِ عہد | در سایۂ تو خرم شدہ جہانِ تو

ای سایۂ خدا ز تو پر نور شد جہاں | بادا ہمیشہ نور خدا سایبانِ تو

ایک بار ایک ہندو شاعر نے جہانگیر کے سامنے ایک چھوٹے مضمون کی نظم پڑھی - جسکا حاصل یہ تھا - کہ اگر آفتاب کے کوئی بیٹا ہوتا - تو کبھی رات نہ ہوتی - کیونکہ جب آفتاب چھپ جاتا اور اسکا بیٹا اسکی جگہ عالم افروزی کرتا - خدا کا شکر ہے - کہ آپکے والد کو خدا نے ایسا بیٹا دیا - کہ لوگوں نے انکے انتقال کا غم نہ کیا .... جہانگیر اس سے محظوظ ہوا - اسکا ترجمہ کرایا - اسکو انعام دیا

ترجمہ :-

گر پسر داشتے جہاں افروز | شب نگشتے ہمیشہ بودے روز

زانکہ چوں او نہفتہ شد در در | بہ نمودے کلاہ گوشہ پسر

شکر کز بعد آں جہاں پدرے | جانشین گشت احمدیں پسرے

کز پئے شفقت گشتن آں شاہ | کس بماتم نکردہ جامہ سیاہ

طالب آملی کے اشعار کا مندرجہ ذیل انتخاب جہانگیر نے کیا ہے - مولانا شبلی کا کہنا ہے - کہ خود طالب بھی اس سے بہتر اپنے کلام کا انتخاب نہیں کر سکتا

ز غارتِ چمنت بر بہار منتہا ست | کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی | دہاں بر چہرہ زخمے بود و بہ شد

عشق در اول و آخر ہمہ ذوق ست و سماع | ای شرابے ست کہ ہم تلخ و ہم کام خوش است

گر من بجای جوہر آئینہ بودمے | بے روئے شرا بتو کسے نمودمے

دو لب دارم یکے در مے پرستی | یکے در عذر خواہی ہائے مستی

عرفی نے جہانگیر کی حکومت کا وقت نہیں پایا۔ مگر اسکی شہزادگی کے وقت عرفی بہت پہلے ہندوستان پہنچے ہی اسکی دربار میں بھی
اور یہ قصیدہ پیش کیا:

صباح عید که در تکیه‌گاه ناز و نعیم / گدا کلاه نمد کج نهاد و شه دیهیم
چنان خبر خوشم بی خوشتر الجهان و فاق / نشسته با خرد اندر تعلم و تعلیم
که ناگهان ز درم در رسید مژده دهی / چنانکه از چمن خلد لعم به مغز نسیم
چه گفت؟ گفت که ای محرم حریم قدس / چه گفت؟ گفت که ای مطلب بهشت نعیم -
بیا که از گهرت یاد میکند دریا / بیا که تشنه لبت را طلب کند تسنیم
ازین پیام دلم شد شگفته و شاداب / چنانکه باغ ز شبنم چنانکه گل ز نسیم
بره فتادم و گشتم چنان شتاب زده / که دست اهل کرم در نثار گوهر و سیم
چو روزگار رسیدم بدرگهی که کند / زمانه طوف حریمش به دیده تعظیم
رسیدنم ز اقبال آن همایون فال / چنان فتاد مطابق در آن خجسته حریم
که گر ادب نکشیدی عنان من ز قدش / ببوسه گاه همی کرد بر لبم تقدیم
مرا چو دید ز دور آن ادیب استاد / بلطف خاص بدل کرد التفات عمیم
رسوم کرنش و تسلیم را ادا کردم / به داب مردم دانا و بذله سنج ندیم
نگفت و من نشنودم بر آنچه گفتنی داشت / که در میان نگهش کرد بر زبان تقدیم
لبش چو خوبیت خویش از نگاه باز گرفت / فتاد سامعه در موج کوثر و تسنیم
بخنده گفت که در عذر این گناه بزرگ / که رفت نام تو بی حکم ما بهفت اقلیم
همین که رفتی ازین آستان فرشته مبار / گزیده نسخه از زادهای طبع سلیم — دو اور قصیدوں کے مطلع ہیں

دگر سفیر طبیعت بساز آگاهی / بعالم ملکوت است همچنین راهی

نوبهار آمد که افشاند چو حسن یار گل / چون دهان عام ریزد حسن دهر خار گل

جہانگیر کے سوا دو حقانی تھے - دانیال - اور مراد - دانیال فارسی اور ہندی کا شاعر تھا - شکار کا بھی بہت دلدادہ تھا

اپنے ایک تفنگ کا نام یکہ و جنازہ رکھا تھا - جس پر اپنا ایک شعر کندہ کرایا تھا جیسا کہ خود جہانگیر تزک میں لکھتا ہے -

از شوق شکار تو شود جان تر و تازہ
بر ہر کہ خورد تیر تو یکہ و جنازہ

اس دانیال کے دربار میں بھی شعرا کا ایک مجمع رہتا تھا - انہی میں ملا محمد رضا نوعی (المتوفی سنہ ۱۰۹۰) اور میر حسین کفری تھے -

ملا رضا نوعی

جبوشان - خراسان کا رہنے والا تھا - صغر سنی میں باپ کے ساتھ ہندوستان آئے - مگر جلدی وطن چلے گئے - باپ کی ۶۰

وفات کے بعد پھر آئے - مرزا یوسف خان کے دربار میں ملازم ہوئے - اسکے ساتھ کشمیر گئے - کشمیر کی آب و ہوا سے طبیعت میں رنگ پیدا

ہوا - اور طبع آزمائی کرنے لگے - نوعی تخلص رکھا - اشعار خواص و عوام میں مقبول ہونے لگے - شہزادہ دانیال نے سنا - مرزا یوسف

ایکو اپنے دربار میں شامل کیا - اسکی فرمائش پر ایک مثنوی "سوز و گداز" ایک ہندو عروس کے ستی ہونے کا واقعہ میں لکھی -

جسکو اکبر نے ستی ہونے سے روکا تھا مگر اُسنے نہیں سنا - پھر ایک ساقی نامہ بھی لکھا - جو بہت مشہور اور مقبول ہوا

اسکے صلہ میں عبدالرحیم خانخاناں نے دس ہزار روپیہ اور ہاتھی گھوڑے دئیے تھے اسکے ماسوا اشعار تھے - ابتدا المطلع یہ ہے:-

از تذکرہ ص ۲۷

زدوست غیر جفایی ندیدہ ام هرگز
کہ دوست بینم و گویم بدوست مانند است

کسان کہ در موسم گل توبہ از شراب کنند
بقتل خود همہ بیش از اجل شتاب کنند

فرصت نداد جذبہ شوقم کہ در طلب
خونی چکد ز ناخن و خاری خلد بپا

نوعی شیشہ ہا شبدیز خسرو گوش شیرین را
خوش است اما صدای تیشہ فرہاد ارای

بولی جدوی بشر از دلی قوم بہ
و رہا اور جدو کوئی ناشی بلکی

توئی اولین پیر میخانہا
بیا ای تو شبگیر پیمانہا

زہا مست کرد انگبین آب روشن
لب لعل پیمانہ لبیک گو است

بیا بوس نام تو در انجمن
کہ شیشہ را ہے زبان در دهن

زہا مست کہ پیمانہ بر لب است
صراحی ز ہے پای تا سر لب است

بجز رسے کہ منظور ہر محفل است
زبزم تو بوی کباب دل است

صبوح چمن کار بن خوان نشست
شکر خندہ بزم مستان نشست

خمر نتر دوئی مجلس آرای ہشیار و مست
چو گل بر سر و ہمچو ساغر بدست

زہر مست کہ شد صبح دل شام او
چراغیست خور گرد گل نام او

گل و بادہ آشنا گر درا نشست
لب دور ایر دم شار نشست

انتخاب از کلمات الشعرا سرخوش

از مثنوی سوز و گداز :-

چنان دختر ہندو بہ دیوانہ وار قصد آتش میکند:-

چنان مستانہ بر آتش گذر کرد
کہ از بوستانش آتش حذر کرد

القصہ در توالیف جوانی :-

جوانی چون نسیم نوبہار است
ولی بی رنگ و بوی گلعذار است

اگر دریافتی بردانشت بوس
وگر غافل شدی افسوس افسوس

از غزلیات :-

بغنچہ رابطہ جوئیم کہ در طبیعت عشق
گل شگفتہ بدلہای بیغمان ماند

(یہاں پر ہیں (داراب) اپنی بیاض پر سے ملا نوعی کی مشہور مثنوی "سوز و گداز" کے چند نمونے درج کرتا ہوں :-

آیا پروانهٔ بلبل ترنم — جگر چون غنچهٔ آتش تبسم
همی خواهم ز بانگ روزگاری — بر انگیزانم از آتش بهاری
حدیث شمع کلکت بر فروزد — که هر کس بشنود جانش بسوزد
بحرفِ تازه و خرم کنی گوش — که تاریخ کهن گردد فراموش
چه این آیاتِ وحی آمد بگوشم — سمعانگی شد جبرئیلِ هوشم
سر نعت سخن را بر گشادم — زبان تا دل بمعنی غوطه دادم
دُری آمد ز درجِ دل بدستم — که از رشک تهی دستی برستم
ولکن آن دُر همی آرم ببازار — ولی جز خود نمی‌بینم خریدار
لعابِ شعله بر کاغذ تنیدم — گهر در رشتهٔ آتش کشیدم
بمشی آن رهِ نارفته رفتم — رهِ یکساله در یک هفته رفتم
چه این غمخانهٔ سوزان حکایت — نفس بگداخت در کام روایت
رقم زد خامهٔ معجز طرازش — محبت نامهٔ سوز و گدازش

نوای عشق از مرغ چمن پرس — گر از بلبل نمی‌پرسی ز من پرس
گر از دل نغمهٔ بر لب دوانم — که لب را همچو گل در خون نشانم
بآهنگی زنم ناخن بمضراب — که از آب آتش از آتش چکد آب
بدستانی سرایم داستانی — کزو هر گوش گردد بوستانی
مرا با گوش دیگر نوشِ دل کن — باین تیغ زبان خونت بحل کن
کنون این قصه کز یادم پریدست — که هم گوشم شنیدن به که دیدست
زبان سوزنده کلک شعله تحریر — چنین کرد از زبان دیده تقریر
که در دوران شاهِ عیسی اورنگ — که عیسی خواند پیشش درس فرهنگ
گرامی گوهری بحر اخضر — سمیِ ذوالجلال الله اکبر
بعهدش طفل نومیدی نزاده — دگر هم زاده جان در راه داده
نبودے در چنین خرم بهارے — سقیم خاک را در دل غبارے
بجز نوعی که از ناکس نهادی — فرادش شد شهید نامرادی

(ابتدا کی ۵۰ اشعار میں ... اشعار ... بیان کی گئی ہے۔)

بیاض میں اس مثنوی کے ۳۶۱ اشعار ہیں۔ شاید کل اتنے ہی اشعار ہوں گے۔ مضمون کے تسلسل کے لحاظ سے پوری معلوم ہوتی ہے۔)

میر حسن کفوری — خراسان سے ہندوستان آکر شہزادہ داراب کا ملازم رہا۔ اسکی مداحی کرتا ہے۔ شہزادہ زندہ بود خانی تا کہ دربار میں پہنچا۔ اسکی مدح میں بھی قصیدے اور رباعیاں لکھیں۔ ذیل کی رباعی اسی قبیل کی ہے :-

ای گوهر خود ز آئینهٔ بارگهت — وین ظلمت شب نشانی گرد سپهت
یعقوب ز مصر بوی موسی از طور منافت — آن بهره که من یافتم از خاکِ رهت

اسی طرح شاہزادہ مراد کے دربار میں بھی شعرا کا مجمع رہتا تھا۔ لطفی جیسا شاعر بھی اسکا درباری شاعر تھا۔ اسنے اسکا مرثیہ بھی لکھا

لعلی

لطفی کے علاوہ میرزا لعل بیگ لعلی ولد شاہ قلی سلطان بدخشی بھی شہزادہ مراد ہی کے دربار سے وابستہ تھا۔ یہ ایک شکیل، جمیل، متواضع، ملنسار شاعر تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی اسے بہت دوست رکھتے تھے۔ انکو اسکا یہ شعر پسند تھا:

بر رہگذار تو چون خاک رہ شدم ترسم ــ که بگذری بمن و بگذری براه دگر۔

ملا محمد صوفی

مازندرانی۔ زہد و تقوی، اور صوفیانہ ذوق کے ساتھ عمر گذاری لیکن تھی مشہد ہی۔ بتخانہ کے نام سے ایک بیاض ترتیب دی جسمیں ساٹھ ہزار اشعار تھے۔ ساقی نامہ اسکا بہت مشہور ہوا۔ اسکا ایک شعر ہے:۔

مے ماند این بادہ احمر بہ آب ــ تو گوئی کہ حل کردہ اند آفتاب۔

رباعی

جہانگیر کو اسکے ملنے کا شوق ہوا۔ احمد آباد سے صوبہ دار گجرات سیف خان کے ذریعہ دہلی بلوایا۔ راستہ ہی میں وصال ہی [illegible] جہانگیر کیلئے لکھ بھیجی:۔

ای شاہ نہ تخت و نہ نگین مے ماند ــ از بہر تو بیدو دو گز زمین مے ماند
صندوق محمد و کاسہ دولت ان را ــ خالی کن و پر کن کہ ہمین مے ماند۔

جہانگیر پر اس رباعی سے رقت طاری ہوئی

نواب قاسم خان

یہ جہانگیر کا بہنوئی یعنی نورجہاں کی سگی بہن منیجہ بیگم کا شوہر تھا۔ نورجہاں بیگم کے ساتھ مناظرے اور مشاعرے ہوتے رہے جس کی بدولت وہ ایک اچھا شاعر بن گیا۔ نورجہاں اسکی شاعری میں مسلم ثبوت رکھتی تھی۔ ایک دفعہ ایک تازہ غزل طرح میں دیگئی۔ شعرائے پائی تخت میں سے کئی نے اسپر غزل ہیں لکھی صرف نواب قاسم خان نے۔ اسکے لئے وہ مشہور [illegible]

نواب قاسم خان کی طرحی غزل یہ ہے:

گر شود سایہ نشین روی بہ تخت باغبان ــ سایہ بر خورشید اندازد درخت باغبان
فاختہ چون دید بے گل باغ را نالید و گفت ــ از چہ رو با گل نرفت ای جان بہ سختی باغبان
جشن نوروز است و فراش بہار از فیض طبع ــ طرح کرد از سبزہ و گل تاج و تخت باغبان۔

دوسری غزل:۔

مے پرستم مے ز چشمم جای آب آید برون ــ گر بگرید بلبل از چشمش گلاب آید برون
یک رہ اندر چشم من آید خیال او بخواب ــ کہ ز ذوق آن دگر از چشم خواب آید برون

بسکه میل بهزبانی با تو دارد هر کس — گر ز شکل آئینه پرسی جواب آید برون

ز اشتیاق هم نشینیهای گوش و گردنت — بعد از این همچون صدف دُر از حباب آید برون

بسکه قاسم پُر شد از مهر علی موسیٰ رضا — سینه اش گر بشگافی آفتاب آید برون

مہر شریف

یہ جہانگیر کا ندیم خاص تھا ۔ "معتمد خان" لقب تھا ۔ جسپر وہ فخر کرتا ہے :-

بدور شاہ جہانگیر خانی از ازل شد — شریفه با بوی معرفت و معتمد خان شد

مرزا غازی خان وقاری

یہ مرزا جانی بیگ حلیمی کا لڑکا تھا ۔ قندھار کا حاکم بنایا گیا تھا اور ملتان جاگیر میں ملا ۔ قندھار میں ایک شاعر وقاری تخلص کرتا تھا ۔ غازی خان نے ہزار روپیہ خلعت اور ایک گھوڑا دیکر یہ تخلص اس سے خریدا ۔ ۲۵ سال کی عمر میں مرا ۔ پھر بھی ۵ ہزار اشعار کا ایک دیوان چھوڑا ۔ میخانہ میں اسکا بھی ایک ساقی نامہ درج ہے ۔ نمونہ کلام :-

در عهد تو ما را همه با غیر خطاب است — سر پنجهٔ مژگان و گریبان عتاب است

گریه ام گر سبب خندهٔ او شد چه عجب — ابر هر چند که گرید رخ گلشن خندد

کجاست یک دو سه همدم که همچو سیگار — نشسته پهلوی هم بر کشیم آواز

جرشہ یزد جردی ، طالب آملی نے بھی اسکی مدح میں قصیدے کہے ہیں ۔ طالب تو اس پر فریفتہ سا ہو گیا تھا ۔

مہابت خان

جہانگیر کا سپہ سالار امیر تھا ۔ "ہوسنی" تخلص کرتا تھا ۔ شعرا کا بھی سرپرست رہا : اسکا شعر ہے :-

ننگ دلم بود که بهشت آرزو کند — دوزخ نصیب من بود و آرزو مباد

آصف خان جعفری

مرزا قوام الدین جعفر بیگ ایک ممتاز اہل علم تھا ۔ اور شاعر ۔ جعفری تخلص ۔ خسرو شیرین کے تتبع میں ایک نظم لکھی

طفلی

جہانگیر کی شہزادگی کے ایام میں اسکے ہاں کسی تیرہ سالہ لڑکی نے پہنچا ۔ جہانگیر ہی نے اسکا تخلص ان دنوں میں طفلی رکھا تھا جیسا کہ کہتے

نمونہ :- ای پادشاہا که جهان از اثر آن خلل — بدور معدلتت فتنه پاسبان آمد

امید لطف تو هست آنچنانکه عاصی — گناه از آتش دوزخ نگاهبان آمد

توئی که حرکت عزم ترا بروز دعا   ظفر علم کش و اقبال ہمعنان آمد

رساند نامهٔ اقبال دوش مرغ شرف   که صیت شہپرش از اوج لامکان آمد

نوشته کاتب قدرت عیان تاکان را   امید ترجمه و شوق ترجمان آمد

سنجر محمد ہاشم نام۔ میر حیدر رفیعی معمائی کا لڑکا۔ یہ بھی اکبری دور کا بڑا بلند پایہ شاعر تھا۔ جہانگیر کی شہزادگی کے ایام میں اسکے دربار میں بھی منسلک رہا۔ اسکے ایک قصیدہ کے تین شعر یہ ہیں:-

ہمیشہ لطف تو بر دشمناں شود مصروف   مدام جود تو بر دوستاں بود جاری

زمانہ چند دل آزردن از تو آموزد   یکے ز شاہ جہانجو رسم دلداری

سنت حلال کنم اگر بر نمی تابد   زمان شاہ سلیم این ہمہ ستمگاری

طالب آملی آمل مازندراں کا ایک شہر ہے۔ طالب نے ۱۶ برس کی عمر ہی میں ہندسہ، منطق، ہیئت، فلسفہ، تصوف اور خوشنویسی میں کمال حاصل کیا۔ تیموری حکمرانوں کی فیاضیوں کا شہرہ سنکر ہندوستان آنکلا۔ پہلے قندھار میں غازی خاں کے یہاں ایک قصیدہ لیکر حاضر ہوا۔ غازی خاں نے گرمجوشی سے پذیرائی کی۔ اسکے مرنے کے بعد خواجہ قاسم دیانت خاں کے ہاں آگرہ آیا جسنے اسکو کچھ وقفہ کے بعد جہانگیری دربار میں پہنچایا۔ مگر وہاں پہنچکر ایسا مسحور ہوگیا۔ کہ اسکی کسی بات کا جواب نہ دیسکا۔ دیانت خاں شرمندہ ہوگیا۔ طالب نے گویہ مکرہ اشعار کا ایک قطعہ معذرت میں لکھکر دیانت خاں کے ہاں پیش کیا۔ پھر اعتماد الدولہ نے پھر اسکو دربار میں پیش کیا۔ اور جہانگیر لطف و نرمی سے پیش آیا۔ رفتہ رفتہ ترقی کرکے ملک الشعراء ہوگیا۔ جہانگیر ایک موقع پر طالب سے ناراض ہوگیا۔ پھر جب اسکا قصور معاف ہوا۔ تو اس واقعہ کو ایک قصیدہ میں اپنے مخصوص شاعرانہ انداز میں ادا کرتا ہے۔ جہانگیر کے ساتھ اسکی جو دلی لگاؤ تھا اسکا بھی پتہ لگتا ہے:-

به نسبت گندم داده بودی از کف خویش   ترا ز جود زیانے چنیں ہزار افتاد

چو دود شمع ز گفت حرم از ہوا مبرود   بہ گرمی کہ زبانم بزینہار افتاد

یکے مقابل خورشید داشت آئینہ لم / بدید کز عرقش صبح بر عذار افتاد
چو پیش مشعل مہ برد شب چراغ حرا / بچہرہ گونہ کاہیش شمع وار افتاد
ازیں نشاط مگر دست آسمان لرزید / کہ باز در کف خاقان کامگار افتاد
کنون برشتۂ جنبش در آر کز تقدیر / دوبارہ در کف این دُرِ شاہوار افتاد

شکیبی ۲۳

شکیبی اصفہانی - اپنے شیریں و رنگین کلام کیلئے مشہور تھے - ہندوستان آئے پہلے خانخاناں عبدالرحیم کے ہاں رہے پھر مہابت خاں کی وساطت سے جہانگیری دربار میں پہنچے ایک قصیدہ پیش کیا جہانگیر محظوظ ہوا - اسکے تین شعر یہ ہیں .

فتادہ بر سر ہم از ہجوم نقش جباہ / بر آستان جہانگیر ابن اکبر شاہ
چہ رفعت است خدایا ہمہ آستانش را / کہ از بلندی آں پیر برکشد شرخ کلاہ
زبسکہ ناصیۂ خویش سودہ اند ملک / نگار خانۂ چیں گشتہ خاک آں درگاہ

شکیبی کو توقع ہوئی کہ روز بازیابی ہوا کریگی - ایسا نہ ہونے پر ایران واپس جانے لگا - جہانگیر نے اشارا کیا اور کہا - "مولانا شکیبی بایستے کہ روزے چند بموجب تخلص خود ہم شکیبیدہ از ما نمے رنجیدید" - شکیبی اسکو ایک رباعی میں کہتا ہے - ! -

گفتی شکیبی کہ زما رنجیدی / یعنی کہ زقبلۂ دعا رنجیدی
حد نیست مرا کہ گویم این انصاف است / گویند سگی کہ از گدا رنجیدی

- جہانگیر خوش ہوا اور کہا - کہ مولانا آپکی ایک اور رباعی مجھے پسند ہے - جو میں نے اپنی بیاض میں اپنے ہاتھ سے لکھ لی ہے ! -

نردیست جہاں کہ بردنش باختن است / نرادی آں بداو کم ساختن است
دنیا بمثال کعبتین ونرد است / برداشتنش برای انداختن است

پھر دہلی کی صدارت پر فائز کیا گیا - اور آخر عمر تک یہیں رہا "شکیبی رفت" (۱۰۲۲) تاریخ وفات ہے - چار ہزار بیت کا دیوان اور ایک مثنوی 'خسرو و شیریں' یادگار میں چھوڑ گیا -

لطفی تبریزی — ہندوستان آئے۔ جہانگیر سے نوزون الملک خطاب پایا۔ پہلے بندر لہری کی حکومت (کا حاکم) پھر گجرات دار الضرب کا داروغہ بنا
۱۰۲۱ھ میں وفات پائی — کلام کا نمونہ یہ ہے:

ہنوز جام شرابے مینو گلے نزدیم — نوائے قہقہہ بر صوت بلبلے نزدیم
ہزار فصل گل آرزو رسید و گذشت — ہنوز بر سر یک آرزو گلے نزدیم
ہمیں نہ کار من از روزگار تلخ شدست — کہ زندگانیم از ہجر یار تلخ شدست
ز روزگار بود تلخکامی ہمہ کس — ز تلخکامی من روزگار تلخ شدست
یکچند پئے گردش افلاک شدیم — یکچند پئے دانش و ادراک شدیم
از آمد و رفت خود ہمے فہمیدیم — از خاک برآمدیم و در خاک شدیم

عطائی معنوی — شیخ عبد الکریم عطائی نام معنوی تخلص۔ جونپور وطن۔ بعض امراء نے دربار میں پیش کیا جاگیر پائی۔ انکا [illegible]

سودا بسرم ہمچو پلنگ اندر کوہ — غم بر سر غم بدل چو سنگ اندر کوہ
دور از وطن خویش بجای گرم — چون شیر بدریا و نہنگ اندر کوہ

خفائی — حسن بیگ نام۔ صوبہ بہار کا دیوان بنایا گیا۔ ہمان الحنا ایک تاریخ عالم لکھی ۱۰۲۱ھ میں وفات پائی

عشق خوبان وفاکیش بیزار بود — سر آن یار بگردم کہ جفاکار بود

حلیم عارف ایگی — سراج الدین حسن نام عارف تخلص۔ ایگ وطن۔ ایگ سے کرمان، یزد، کرکرادر بیشاپور ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا۔ عہد شہزادگی میں شہزادہ سلیم کے دربار میں پہنچا۔ قصیدے کہے۔ شہزادہ دانیال کے ہاں گیا۔ پھر جہانگیر کے خسر نورجہاں بیگم کے باپ اعتماد الدولہ کے ہاں پہنچا۔ قصیدے کہے صلے پائے — اسکی مدح میں ایک دشوار قافیہ کا قصیدہ کہا۔ [illegible]

عارف کسی بسازی زان زلف تابپیچ — تا بر تو نگذرد بہ ہنر روزگار پیچ
نسیان و نوبہار و جوانی و مستے — یعنی بہیچ بادہ بگیر از خمار ہیچ

در حلقہ پیچ دادہ زلف تو بیجا مکہ — ہنگام خشم در گرہ چشم مار پیچ

آں اعتماد دولت کز راست بینیستی — از موج خشم جدا نشود از ہوشیار پیچ

در زمانہ ہیچ نماند بعہد تو — زاں موج انگیز گشتہ بر کنار پیچ

اسکی وساطت سے کچھ اور سفارش کے بعد پھر جہانگیر کے دربار میں پہنچا - بہار میں ۵ سو بیگھہ زمین جاگیر دی گئی تھی -

خدایا تو ایں شاہ درویش دوست — کہ آسایش خلق در ظل اوست

برآرش برادرنگ شاہی جاہ — بر اوج فلک تا بود مہر و ماہ

دو ہزار تین سو اشعار کی ایک کتاب "آئین زمانہ" شہنامہ کی بحر میں لکھی - اور ساقی نامہ بھی -

شیدا

قبیلہ لکلو سے تعلق رکھتا تھا - اسکی پیدائش فتح پور آگرہ میں ہوئی - اسلئے ایرانی شعرا اسکو ہندوستانی سمجھتے تھے - فوج میں ملازم رہا - خانخاناں کی مدح میں بھی قصیدہ کہا ہے - پر گو، ذی علم شاعر تھا - تمام شعرا اسکی خردہ گیری اور عیب جوئی سے عاجز تھے - حتیٰ کہ ملک الشعرا طالب کو بھی طنز و استہزا سے نہ چھوڑا :-

شب و روز محمود و منا طالبا — پئے جیفۂ دنیوی در تگ است

مگر قول پیغمبر آمد بجا — کہ دنیا ست مردار و طالب سگ است

ارباب سخن شیدا کو زیر کرنے کی فکر میں رہتے - شاید ایک ہی موقع ایسا ہوا - جبکہ وہ اُن سے پسپا ہوا - اسکی دلچسپ تفصیل یہ ہے :- سنہ ۱۰۳۴ھ جہانگیر اجمیر گیا - شعرا بھی جلو میں تھے - ایک روز شیخ فیروز کی قیامگاہ پر تمام شعرا مثلاً طالب، عطائی جونپوری، انور لاہوری، طفیلی فتحپوری وغیرہم جمع تھے - شیخ فیروز کو اساتذہ کے ہزاروں اشعار زبانی یاد تھے - مجلس گرم تھی - شیدا بھی آیا - سب نے گرمجوشی سے خیر مقدم کیا - اور بہاں جگہ پر بٹھا کر تازہ کلام سنانے کی فرمائش کی - شیدا نے یہ شعر پڑھا :-

چیست دانی بادۂ گلگوں بصفا جوہر — حسن را پروردگار و عشق را پیغمبر

شیخ فیروز نے کہا یہ تو رودکی کے شعر سے سرقہ ہے :-

عشق را پیمبر ولیکن — حسن را آفریدگار توئی

شیدا کچھ برہم ہوا - اس نے دوسرا شعر سنایا :-

زبسکہ کرد غمت بند بند جگر ناخن   چو پشت ماہیم از پای تا بسر ناخن

شیخ فیروز نے اعتراض کیا - کہ یہ غیاثا ی حلوائی کا چربہ ہے :-

ازبسکہ سینہ کندم و ناخن درو نشکست   چون پشت ماہی است سراپای سینہ ام

شیدا اور بھی چیں بجبیں ہوا - مگر اس نے اور شعر پڑھکر داد چاہی :-

گر بصحرا تو فشانی دشت پر سنبل شود — ور بدریا رو نشوئی خار ماہی گل شود

شیخ فیروز نے فوراً بولا کہ یہ تو ملا کاتبی کے شعر سے توارد ہے :-

گر بدریا افتد از عکس جمال او فروغ   خار ماہی آورد در قعر دریا بار گل

شیدا نے چڑھ کر کہا اگر یہی ستم ظریفی ہے - تو اسکے مقابلہ کا شعر سنادو :-

ذات تو بود صحیفہ کن کہ کرد   از روی ادب مہر خدا بر پشت

شیخ فیروز نے فوراً ہاتفی کا شعر پیش کیا :-

نبوت را توئی آن نامہ در مشت   کہ از تعظیمش آید مہر بر پشت

حاضرین نے قہقہہ لگایا - شیدا نے زچ ہو کر بدکلامی شروع کر دی - لیکن اہل مجلس پھر حضرت - تو اس نے یہ شعر پڑھا

زلف او را رشتۂ جان گفتم و گشتم خجل   زانکہ این مضمون چو زلفش پیش پا افتادہ است

شیخ فیروز نے کہا معانی کی دلآزاری مراد نہیں - لیکن اس مضمون کا شعر پہلے بھی کہا جا چکا ہے :-

کس نیابد مصرعۂ پیچیدۂ زلف کجت   گرچہ این مضمون ترا در پیش پا افتادہ است

الیطاح شیدا نے کچھ اور شعر سنائے - تو شیخ فیروز اسکے ہر شعر کا ماخذ بتاتا گیا - آخر شیدا چڑ گیا - پھر کبھی اس کی مجلس میں

شریک ہوا۔ جسمیں شیخ فیروز بھی ہوتا۔ مگر شیخ فیروز کا بیان ہے۔ کہ کشمیر میں ایک دفعہ شیدا انکا گھر آیا۔ اور پوچھا کہ میرا کوئی شعر بھی قابل ستائش ہے۔ تو فیروز نے کہا ہاں اور وہ شعر یہ ہے!۔

ای بروئی تو گرد و آئینہ را چشم نیاز　　شانہ را دست دعا در شب زلف تو دراز

شیدا نے ہاتھ پھیلا کر دعا کی۔ کہ "عمرت دراز باد"

جہانگیر کے بعد شیدا شاہجہاں کے دربار سے بھی منسلک رہے۔ حکیم رکنا کاشی نے انکے ذوق سخن کی داد دی ہے

مسیحا را بہ شیدایان عالم الفتی باشد　　بجز شیدا نگوید کس شعر گو کسی در زمین من

اور یہ موجب تعجب ہے۔ کیونکہ تمام ایرانی شعرا شیدا سے نالاں تھے۔ شیدا کو ایرانی شعرا کی کے احساس برتری سے چڑھ تھی۔ کشمیر پر اس نے ایک کتاب نثر میں لکھی ہے۔ اسکے خاتمہ پر لکھتا ہے۔!

اہل ایران ہندی نژاد ہونے کیوجہ سے ہندی کو کوئی حقیقت کا نہیں سمجھتے ہیں۔ وہ اسکو بھول گئے ہیں کہ جب حضرت آدم زمین پر اترے۔ تو سرانڈیپ ہی کی زمین کو اپنی ذات سے مشرف فرمایا۔ اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے۔ لہذا حضرت آدم بھی ہندی ہیں۔ جن لوگوں نے ہند میں نشو و نما پائی انمیں آدمیت زیادہ ہے الخ ـــــ" ان ہی جذبات کی بنا پر اس نے ایرانی شعرا کی ہجویں لکھیں۔ طالب آملی کا ذکر اوپر آگیا۔ میر الہی ہمدانی پر ایک قطعہ لکھا!۔

ای میر من کہ کردہ الٰہی تخلصی　　از خود دلیری از چہ الٰہی شدن خطاست

زیں رطب و یابسے کہ بود در کلام تو　　گر منکر کلام الٰہی شوم رواست

قدسی نے ایک قصیدہ کہا تھا جسکا مطلع یہ ہے!۔

عالم از نالۂ من بی تو چنان تنگ فضاست　　کہ شرر از سر آتش نتواند برخاست

اور شیدا نے اس قصیدہ کے ہر شعر پر اعتراض کیا۔ اعتراضات کے چند نمونے یہ ہیں!۔

ای سخن سنج هنرمند باندیشه بسنج ‏ ‏ ‏ نقد هر حرف بمیزانِ خود بی کم و کاست

ناله در سینه هوائیست که بی قصد رود ‏ ‏ ‏ چونکه از سینه هوا گرشد از جنسِ هواست

عالم از وی نشود تنگ و لیکن ز ملال ‏ ‏ ‏ خلق عالم گر از و تنگ نشینند رواست

خود گرفتم که جهان تنگ شد از نالهٔ تو ‏ ‏ ‏ که ز تنگی نظر از چشم نیارد برخاست

نیست ترتیب دو مصراع بهم ربط پذیر ‏ ‏ ‏ که سیاق سخن از هر دو باندیشه جداست

تنگی عالم از ناله بکیفیت اوست ‏ ‏ ‏ که جهان تنگ ز اندوه شده بر دلهاست

تنگی جا ز کجا تنگی اندوه کجا ‏ ‏ ‏ بیشتر از تن و جان تفرقه هم پیداست

بقول مؤلف مرآة الخیال شیدا کے یہ اعتراضات مشہور ہوئے۔ مگر طاہر نصیر آبادی اپنے تذکرہ میں انکو نا اتفاقی سے تعبیر کرتا ہے۔ شاہجہان بھی انکی بیباکی سے بارہا رنجیدہ ہوا۔ ایک بار شاہجہان نے اس سے پوچھا۔ کہ "تم شعر اچھا کہتے ہو یا کلیم حاذق گیلانی؟" شیدا حاذق کو اپنا مد مقابل نہیں سمجھتا تھا۔ اسلئے اور انکی بھی ہجو لکھ چکا تھا۔ اسلئے جل کر بولا۔ ہم دونوں سے رائے پای دامن ہیر کہتا ہے۔ یہ دا ایا نداس دربار کا ایک ادنیٰ ملازم تھا اور معمولی اشعار کہتا تھا۔ اسپر شاہجہان نے شیدا کو دربار سے نکل جانے کا حکم دیا۔ ایک دفعہ شیدا کا مشہور شعر شاہجہان کو سنایا گیا: چه نسبت دانی بادهٔ گلگون حصفا چو سرے ‏ ‏ ‏ حسن را بر دو دگار دعشق رہ اسیمبر۔ شاہجہان نے ام الخبائث کی تعریف اپنے قلمرو میں پسند نہیں کی اور شیدا کو شہر بدر کرنے کا حکم جاری کیا۔ شیدا نے اپنی برأت کیلئے بیلے جا جی کا یہ شعر پیش کیا: "از حرامی دو باد تلقل ہے۔ پیش حاجی بہ از جہاد قبل است" پھر ایک قطعہ معذرت میں لکھا۔ جسکے چند اشعار یہ ہیں!۔

جہان پناہا شاہا بقدر جاه و جلال ‏ ‏ ‏ نہ فرید خدا چون ترا عدیل و نظیر

بوصف مے زده سرازمن این مصرع خوش ‏ ‏ ‏ که گشته وردِ زبانِ همه صغیر و کبیر

اگرچه لفظش عام است معنیش خاص است ‏ ‏ ‏ بخاص و عام بود شهره همچو بدر منیر

چنین که میکشیں اسرار مولوی جامی | که هست گفته او دور از تقصیر
بوصف می "صراحی دوبار قلقل می" | به از چهار قلش گفت فارغ از تکفیر
مرا به کفر چه نسبت بود که به زمی | سخن چنین کند و هیچ نایدش تضمیر
مرا چو شاه براند کجا توانم رفت | بگاه راندن از کف کجا رود شمشیر

کلمات الشعرا سرخوش

اس قطعہ کو سنکر شاہ جہان نے شیدا کو معاف کر دیا۔ آخر عمر میں کشمیر جاکر گوشہ نشین ہو گیا جہاں اسے شاہ جہان کی طرف سے وظیفہ ملتا رہا۔ اپنی یادگار میں ایک مثنوی "دولت بیدار" اور ایک دیوان چھوڑا۔ دیوان میں ایک لاکھ اشعار تھے۔ شیدا کی ہجو بھی اکثر ایک معاصر منیر لاہوری نے لکھی ہے۔ جو شیدا کی ہجو گوئی کا نتیجہ ہے!۔

شیدا گوید که شعر من لک بیت است | هر نقطه من لصفحه بی شک بیت است
یک بیت درست نیست در دیوانش | از جفت بروت صاحب آن بیت است

حکیم فغفوری

محمد حسین نام، لاہیجان مولد اور گیلان وطن تھا۔ پہلے رستمی پھر فغفوری تخلص رکھا۔ طب، ریاضی، موسیقی اور شعر میں یکتائے روزگار سمجھا جاتا تھا۔ ہندوستان آیا۔ تو جہانگیر کے لڑکے شہزادہ پرویز کے دربار سے وابستہ رہا۔ اسکی شان میں قصیدے لکھے۔ دیوان میں قریباً پانچ ہزار اشعار تھے۔ ترجیع بند کے طرز پر ایک ساقی نامہ لکھا ہے۔ جسکا پہلا بند یہ ہے:-

ساقی بده آن باده که خورشید شرار است | چون آتش گل ریز بدامان بهار است
آن آتش بی دود که موسیش مجوسیست | وان نور فروزنده که منظور نظار است
چون غنچه جامش ز دم شیشه بخندد | گوئی که لبالب دهنش از لب یار است
آنجا که رسن تاب شود گیسوی تاکش | صد دست چو منصور بجنبانده دار است
موج قدحش دل برد از دست حریفان | چون طره پرتاب که بر روی نگار است
خم کوی صد حشمت می آتش زده درد | نی خشت بود بر سر خم سنگ مزار است

آں روز کہ از مشرقِ خم مست صبوحیم ‌ ‌ روزش نشماریم اگر روزِ شمار است

آں را کہ نظر نیست بر آئینۂ جامش ‌ ‌ بر آئینۂ دیدۂ او نورِ غبار است

برخاست دلِ ما ز جہاں تا بہ افتاد ‌ ‌ از غرقۂ ایں بحر دو عالم بکنار است

ما جملہ کسی یادگرفتیم ز استاد

(اسکی رباعی میں ایک حقیقت نا بیقرار الہام ہے)

ما را خطِ بغداد بہ از خطۂ بغداد!

میر ملکی

قزوینی ہے۔ اسکا باپ میر ظہیر الدین ابراہیم قزوین کے معزز لوگوں میں سے تھا۔ ملکی ہندوستان آیا اکبری دربار سے وابستہ ہوا۔ اکبر کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا جو بہت مقبول ہوا۔ اسکے چند اشعار ہیں۔

دارائے روزگار و مدار زمانہ رفت ‌ ‌ امروز کدخدائے جہاں از میانہ رفت

آئینہ دارِ دیدۂ اہلِ نظر گذشت ‌ ‌ رونق فزائے دفترِ ایں کارخانہ رفت

سنگے رسید و شیشۂ اہلِ وفا شکست ‌ ‌ دردا کہ باعثِ سخنِ عارفانہ رفت

شایستۂ شہی و سزاوار سروری ‌ ‌ مسند نشینِ اکبرِ انا نہ رفت

زد سکہ بر سرِ زرِ خورشیدِ خاوری

بر چرخ برد سکۂ اللہ اکبری

اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر ہوا اسکے بعد امرا کی رنجہ چشمیوں کے بعد پٹنہ میں شہزادہ پرویز کی دربار میں رسائی حاصل کی کچھ مدح میں اشعار کے ساتھ ایک ساقی نامہ بھی پیش کیا۔ جو پسند آیا۔ اور شہزادہ نے میخانہ کے مؤلف ملا عبد النبی فخر الزمانی قزوینی سے اسکو بھی میخانہ میں درج کرنیکی سفارش کی۔

ساقی نامہ کے چند اشعار:۔ دلا مژدہ کامروز نوروزِ ماست ‌ ‌ کہ ارغوانی دلِ افروزِ ماست

شدہ رشک جنت گلستانِ ما ‌ ‌ بہشت بریں گشتہ بستانِ ما

نخواہیم جز جام بے جز جام مے ‌ ‌ نخواہیم نامے بجز نام مے

(150)

چه آنکه میخانه آتش جان بود　　چه آنکه خود جانِ مستان بود

بمن ده که همرنگِ مستان شوم　　چو آتش سراپا گلستان شوم

ملا عبدالنبی قزوینی — اسکو فخر الزمانی کہتے ہیں — یہ مرزا امان اللہ امانی، مرزا لطافی، اور سردار خان کے ہاں ملازم رہے ہیں — مرزا لطافی کے قیام پٹنہ کے زمانہ میں شہزادہ پرویز کی شعر و شاعری کی مجلسوں میں شریک ہوتے رہے

چنانچہ اپنی مشہور تصنیف "میخانہ" میں شہزادہ کی جابجا مداحی کی ہے! — ایک جگہ کہتا ہے! —

شہی کز عداد داماست لبریز + پناہ بے پناہاں شاہ پرویز؛ دوسری جگہ! — فخر ملک ارث شاہاں — سلطان زمانہ شاہ پرویز

اسکی اہم تصنیف "میخانہ" ہے — اسمیں شعرای متقدمین و متاخرین کے حالات کے ساتھ انکے ساقی نامے درج ہیں۔

اسکے علاوہ وہ اور دو لطائف کا مصنف ہے — دستور الفصحی ادابِ قصہ گوئی میں اور نوادر الحکایات یا بحر النوادر — قصوں میں

شہزادہ شہریار — جہانگیر کا چھوٹا لڑکا یہ بھی شاعر تھا — جنگ جانشینی میں جب اسے شکست ہوئی — تو اُمرا نے کہا کہ اسکی کیفیت اور تاریخ لکھی! — ز نرگس گلاب ار چه نتوان کشید + کشیدند از نرگس وی گلاب

چه پرسی که از شه تاریخ وی + بگو کور شد دیدهٔ آفتاب —

←— ۱۰۳۷ —→

شاہجہاں

شاہجہاں کی نادرہ کار تعمیری یادگاریں اسکے ذوق کی نفاست اور لطافت کی بین دلیل ہیں۔ اسکی تمام تکوینی قوتیں فنونِ لطیفہ کی اسی شاخ پر صرف ہوئیں۔ اگر ہم بابر کی ذہنی نقش آرائیاں اسکی تزکِ بابری میں، ہمایوں کی تخیل آرائیاں اسکے شعر و شاعری میں، اکبر کی علمی فیاضیاں اسکے دربار کی ہنر پرور فضا میں، اور جہانگیر کی رنگینیاں اسکی تزکِ جہانگیری میں پاتے ہیں۔ تو شاہجہاں کے ذہن کی ہنر کاریاں اسکے تختِ طاؤس، قلعۂ معلیٰ اور روضۂ تاج کے نقش و نگار میں عیاں ہیں۔ اسلئے یہ امر کچھ تعجب نہیں۔ اگر اسنے اپنے باپ۔ یا اپنے لڑکوں دارا اور اورنگزیب کیطرح کوئی علمی یادگار نہیں چھوڑی، اسکے دماغ کی گل افشانی کاغذ کے صفحات کے بجای جامع مسجد دہلی کی تعمیری ندرت و نفاست میں ظاہر ہوا۔ اسنے تمثیت کا ترانہ شعر و شاعری میں نہیں بلکہ تاج میں منظوم کیا — اسکو بابر ہمایوں اور جہانگیر کیطرح علمی انہماک نہ تھا۔ اسلئے انکی طرح کوئی علمی تصنیف نہیں چھوڑی لیکن پھر بھی اسکی کتابِ زندگی کا کوئی صفحہ علمی دلچسپیوں سے خالی نہیں۔ اسکے دربار کی علمی فضا، اور اہلِ علم و سخن کے ساتھ اسکی عدیم المثال فیاضیاں اور زرپاشیاں پھر دارا شکوہ، جہاں آرا اور اورنگزیب کی اعلیٰ تعلیم و تربیت اسکے ذوقِ سلیم کی شہادت ہے۔

شہزادہ خرم یعنی شاہجہاں کے اساتذہ قاسم بیگ تبریزی، حکیم دوائی گیلانی، شیخ ابوالخیر (فیضی اور ابوالفضل کا چھوٹا بھائی) اور وجیہ الدین گجراتی رہے ہیں۔ جو سب کے سب بلند پایہ علما اور فقہا تھے۔ تختِ نشینی دوشنبہ، بست و پنجم بہمن، ۸ جمادی الثانی سنہ ۱۰۳۷ھ

شاہجہاں خود شاعر نہ تھا۔ مگر شعر فہم نکتہ رس ضرور تھا۔ اسکے ذوقِ سلیم کا اندازہ اچھے اشعار کی پسندیدگی سے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اورنگزیب کی شادی کی تقریب کیلئے جب (اورنگزیب) دولت آباد سے چلکر دہلی آیا۔ تو نور منزل میں مقیم ہوا۔ شاہجہاں اس مسرت و انبساط کے جشن کے موقع پر غایت اشتیاق میں بیٹے سے بلد از جلد ملنا چاہتا تھا۔ تو کلیم کی۔ رباعی اپنے ہاتھ سے لکھکر بھیجی:۔

با خردہ اگر زود درآئی چہ شود ۔۔۔ یا تاختہ پیش از خبر آئی چہ شود

زود آمدنت لطف تو قسم دیر است ۔۔۔ از زود اگر زود تر آئی چہ شود

شاہجہاں کے دربار میں علمی شان و شوکت ہمیشہ دیر تک اور اپنے کے ساتھ کسطرح قایم رہی، وہ اہلِ علم و فضل کو کن نظروں سے دیکھتا، یہ ذیل کے

چند پند و نصائح سے معلوم ہوگا۔ جو اس نے اپنی بیاض خاص میں لکھ رکھی تھیں:-

"رو ندادن بہ مردم بد، ترک کشیدن بعموم حصول مقصد، نرنجانیدن مردم خوب مزاج و خواستن بکمال احتیاج صحبت داشتن با اہل سواد، جستجو کردن تا بلدان با استعداد، بار ندادن پیش خود مردم جہال، دادن بارباب استحقاق بقدر توفیق پیش از سوال، تکرم داشتن اہل فضل، مصروف نمودن خراج بعدل، میل نکردن با قوال غیر عقائد، بے خبر نبودن از احوال متوسلان بے مکانند، غنیمت داشتن وجود یگانہ یگان کہ بیگانہ از حق باشند پیش داشتن جمعیکہ مصالح امور دنیا و عقبیٰ بود نبد" یہ نکات علمی و عملی حیثیت سے کس قدر سبق آموز ہیں عالمگیر نے انکو شاہجہاں کی بیاض سے نقل کر کے اپنے فرزند شہزادہ معظم کو بطور نصیحت لکھ بھیجا تھا —

لطف اللہ مہندس نے جو دارا شکوہ کے مقربان خاص میں تھا۔ شاہجہاں کے درباری شعرا کے نام ان اشعار میں گنوائے ہیں:-

وحید دہر امانی بن عنایت خان   ولی بجای زمان است شہرہ دوران

دگر یگانہ ظفرخان تخلص احسن   ربود گوی سخن از سخنوران در فن

دگر وحید زمن آشنا عنایت خان   بود ببحر سخن آشنا عنایت خان

دگر وحید زمن شادمان غم پرور   بیان شادی و غم در کلام او مضمر

دگر سخنور کشمیر محسن فانی است   بقای نام وی از دولت سخندانی است

سپہر سیادت یگانہ میر عماد   کہ بود در غزل و مدح و مثنوی استاد

لبیب عصر محمد حسین آشوب است   سخنوری کہ سخنہاش جملہ مرغوب است

دگر وحید زمان است طالبای کلیم   کہ شعر او ید بیضا است نزد طبع سلیم

دگر فرید جہان قدسی محمد خان   بعہد شاہجہاں گو ربود از اقران

الہی ہمدانی است در سخن استاد   سخنوری است کہ داد سخنوری میداد

لبیب از سنه اُمّی نخوانده هیچ کتاب ‌ ‌ ‌ ‌ ز فیض حق شده مفتوح بر رخش صد باب

دگر وحید زمن باقیای شرانهٔ او ‌ ‌ ‌ ‌ خوش است هیچ غزلهای عاشقانهٔ او

فصیح لذ سنه فتی که چون غزل بشگفت ‌ ‌ ‌ ‌ چو عندلیب غزلخوان درو گهر ها سفت

قدسی ، اس چمنستان شعرا کا گل سرسبد حاجی محمد جان قدسی تھا جسکی تمام انواع سخن پر قدرت حاصل تھی مشہدی تھا مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں تحصیل علم پا کر سنہ ۔۔۔ ہندوستان آیا ۔ خواجہ عبداللہ خان زخمی کی مدح میں چو ہفت ہزاری منصب کا شاہجہانی امیر تھا ایک قصیدہ کہا ۔ عبداللہ خان سفر میں تھا ۔ قدسی نے قصیدہ پڑھا ۔ عبداللہ خان اسقدر محظوظ ہوا ۔ کہ اپنی جگہ سے اٹھکر قدسی کو وہاں بٹھایا اور تمام خیمہ و خرگاہ بمع تمام متعلقات کے قدسی کو انعام میں دیا ۔ سنہ ۱۰۴۲ میں قدسی ایک قصیدہ لیکر شاہجہان کے دربار میں پہنچا جسکا

ای قلم بر خود ببال از شادی بکشا زبان ‌ ‌ ‌ ‌ در ثنای قبلهٔ اقبال خاقان جهان

جوهر اول شهاب الدین محمد کز ازل ‌ ‌ ‌ ‌ از برای خدمتش زد چرخ دامن بر میان

اختر برج کرامت مظهر لطف اله ‌ ‌ ‌ ‌ جوهر تیغ شجاعت مصدر امن و امان

آنکه از آغاز فطرت بسته شهباز ظفر ‌ ‌ ‌ ‌ چون عقاب تیر بر شاخ کمانش آشیان

گر مخالف در مخالف از دلاورش دم زند ‌ ‌ ‌ ‌ بابر و پلنگ است چون خورشید گرم و مهربان

سرمهٔ چشم غزالان سازد از داغ پلنگ ‌ ‌ ‌ ‌ ساز کاریهای عدلش چون نهد پا در میان

شهد شان عدلش زود بر خواب گرفت ‌ ‌ ‌ ‌ تهمت زنجیر عدل از گردن نوشیروان

خوش نشست از لفظ پارسی النقش هفت اقلیم را ‌ ‌ ‌ ‌ ربع مسکون گو دگر بنشین نقش جاودان

آفتاب اینچنین طالع نشد در هیچ قران ‌ ‌ ‌ ‌ از زمان حضرت صاحبقران تا این زمان

حبذا دولت که بینه با تو خود را در امکان ‌ ‌ ‌ ‌ مرحبا نصرت که باشد با تو دایم همعنان

مؤلف مرآۃ الخیال کا لکھنا ہے ۔ کہ اسکے صلہ میں شاہجہان نے قدسی کے منہ کو سات دفعہ جواہرات سے بھرا ۔ اسکے بعد قدسی دربار ہی سے منسلک ہوا اور جب اپنی شاعری و نکتہ سنجی کا سکہ جما چکا ۔ تو ملک الشعرائی کے خطاب سے سرفراز کیا گیا ۔ کئی دو بیوں میں تلوایا گیا ۔

جہاں آرا بیگم کے جلنے کے موقعہ اسنے اک رباعی کہی جسکا آخری شعر بیت لبعد کیا گیا - وہ شعر یہ ہے:-

تا سرزدہ از شمع چنیں بے ادبی ___ پروانہ ز عشق شمع وا سوختہ است

قدسی کا انتقال سنہ ۱۰۵۶ میں (کشمیر میں) ہوا (مزار شعراء واقع درگجی میں مدفون ہے) طالب کلیم نے مرثیہ لکھا تاریخ کا مصرعہ یہ ہے "دور از ان بلبل قدسی ہمہ زندان شد" - قدسی نے ایک مثنوی "تعریف کشمیر لعہ صعوبت راہ" بھی لکھی

کلیم :- ابو طالب نام کاشان وطن - جہانگیر کے عہد میں ہندوستان آیا سنہ ۱۰۲۸ میں واپس چلا گیا - پھر آیا لیکن جہانگیر کے دربار میں طالب کے مقابلے میں اسکو فروغ حاصل نہ ہو سکا - لیکن شاہجہاں کے عہد میں کلیم کا کلام شعلہ طور بنکر چمکا اسکے اشعار کے حسن تعلیل، خیال بندی، شعر کیسوں کے سلجھاؤ، روز مرہ کی صفائی، محاورات کی برجستگی، شستگی و روانی اس عہد کی شاعری جگمگا اٹھی - اسیلئے شاہجہاں کے دربار سے اسکو ملک الشعرا کا خطاب ملا - سنہ ۱۰۴۴ میں جب شاہجہاں نے ایک کروڑ روپیہ کی لاگت سے تخت طاؤس تیار کرایا اور آگرہ میں جشن نوروز کے موقعہ پر جلوس کی رسم ادا کی - تو دربار کے شعرا نے اس تقریب میں قصائد لکھکر اپنی لیاقت و ذہانت کا ثبوت دیا - کلیم کے جو قصیدہ لکھا اسکے چند اشعار یہ ہیں

خجستہ مقدمہ نوروز و غرۂ شوال ___ فشاندہ اندگل عیش بر سر مہ و سال

بچشم مردم دار الخلافہ عید نہ لیست ___ غبار موکب شاہجہان جہان جلال

شرف پذیرد نوروز در چنیں عیدے ___ کہ بادشاہ نشیند بہ تخت استقلال

بوصف تخت مرصع گہر فشاں گشتم ___ خدا نصیب کند عمر خضر و طول مقال

ہزار سیلان یاقوت و صد بدخشاں لعل ___ ہر و نمائی گرفت است تا نمود جمال

نشاں ز آتش یاقوت آں چراغ افروخت ___ کہ نے ز باد رسد آفتتی نہ ز آب زلال

فتادہ پرتو یاقوت لعل بر الماس ___ چنانکہ عکس چراغہا فتد در آب زلال

زمرد کہ ہشتی تازہ تر ز سبزۂ نو ___ کہ اجتماع نقیضین را شمردہ محال

طلای گشت شدی آب ز آتش یاقوت — اگر نہ قطرہ فشان بے شدی زلال لآل

بہا ندارد و دیگر ہر آنچہ خواہی ہست — ز شان و شوکت و فر و شکوہ و حسن و جمال

شاہجہان کو یہ قصیدہ اتنا پسند آیا۔ کہ کلیم کو ایک صلہ میں روپے کے برابر تلوایا۔ جو پانچہزار پانچسو وزن میں آئے جو اسکو عطا کئے۔ اسیطرح وقتاً فوقتاً انعامات ملتے رہے۔ سنہ ۱۰۴۹ میں کلیم شاہجہان کے ساتھ کشمیر گیا۔ اور وہیں قیام کی اجازت چاہی۔ جو منظور ہوئی۔ یہیں بیٹھکر شاہی فتوحات منظوم کرتا رہا جسکے لئے کلیم کو سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ سنہ ۱۰۵۵ میں شاہجہان پھر کشمیر گیا۔ کلیم نے تہنیت کا قصیدہ پیش کیا جسکے صلہ میں خلعت اور دو ہزار اشرفیاں پائیں۔ سرخوش مؤلف کلمات الشعرا کے قول کے مطابق قیصر روم کا شاہجہانی لقب پر معترض ہونے پر شاہجہان لقب بدلنے کی غرض سے یمین الدولہ سے تبدیلی لقب کے مشورہ کر رہی تھا۔ کہ کلیم نے ایک قصیدہ پیش کیا جسمیں لقب شاہجہان کی اسطرح توجیہ کی ہے۔

ہند و جہان ز روی عدد چون برابر است — شہ را خطاب شاہجہانی مبرہن است۔

شاہجہان نے خوش ہوکر روپیہ میں تلوایا۔ اسکی جدت آفرینیاں ملاحظہ ہوں ایک قصیدہ میں کہتا ہے!۔

بعہدش آنچنان در خواب امن است — کہ پاید پاسبانی پاسبان را

بملکش راہزن مانند جادہ — بمنزل میرساند کاروان را

بعہد عدل او دولت ستانند — چمن از خاک زرہای خزان را

کفش پرداخت کان گوہر و زر — فلک برچید لعل افزایی دکان را

درون شیشۂ افلاک بینم — بسان بے قضای آسمان را

اسکی غزلوں کا نمونہ بھی ملاحظہ ہو!۔

پیری رسید و مستی طبع جوان گذشت — ضعف تن از تحمل رطل گران گذشت

وضع زمانہ قابل دیدن دوبارہ نیست — رو پس نکرد ہر کہ ازین خاکدان گذشت

در راہ عشق گریہ متاع اثر نداشت   صد بار از کنار من این کاروان گذشت

طبعی بہم رسان کہ بسازی بعالمی   یا ہمتی کہ از سر عالم توان گذشت

در کیش ما تجرد عنقا تمام نیست   در قید نام ماند اگر از نشان گذشت

بدنامی حیات دو روزی نبود بیش   آنہم کلیم با تو بگویم چسان گذشت

یک روز صرف بستن دل شد باین و آن   روز دگر بکندن دل زین و آن گذشت

اسکا انتقال (کشمیر میں) ہوا۔ تو غنی کشمیری نے تاریخ وفات یہ کہی!۔

گفت تاریخ وفاتش غنی   "طور معنی بود روشن از کلیم"   ۱۰۶۱

کلیم نے بہت سی مثنویاں بھی لکھیں۔ تعریف اکبر آباد۔ قحط دکن۔ صعوبت دکن۔ کے علاوہ مثنوی بادشاہ نامہ بھی قلمبند کی۔ جسمیں شاہجہانی عہد کے سنہ ۱۰۴۶ تک کے حالات ہیں یہ شاید قدسی کی مثنوی "ظفرنامہ شاہجہانی" کے تتبع میں لکھی گئی جسمیں سنہ ۱۰۴۷ تک کے واقعات ہیں ——

ظفر خان احسن —— نام احسن اللہ۔ احسن تخلص۔ ظفر خان خطاب۔ اسکو شاہجہانی عہد کا عبد الرحیم خانخاناں سمجھنا چاہیئے۔ اسکا باپ خواجہ ابو الحسن تربتی خراسان سے اکبر کے زمانہ میں ہندوستان آیا اور شاہزادہ دانیال کا وزیر اور دکن کا دیوان مقرر ہوا۔ جہانگیر کے زمانہ میں پہلے میر بخشی پھر دیوان کل عہدہ پر مامور رہا۔ اور پنجہزاری منصب سے سرفراز کیا گیا۔ کابل کا حاکم بھی مقرر ہوا۔ شاہجہان کے زمانہ میں ششہزاری ششہزار سوار کا منصب اور کشمیر کا علاقہ ملا۔ اسکے مرنے کے بعد احسن اللہ شاہانہ عنایات سے مستفیض ہوا۔ جہانگیر کے زمانہ ہی میں وہ باپ کی جگہ کابل کا حاکم اور ظفر خان کے خطاب سے سرفراز کیا جا چکا تھا شاہجہان نے خواجہ ابو الحسن ہی کی زندگی ہی میں ظفر خان کو کشمیر کی حکومت تفویض کی۔ جہاں سے اس نے تبت پر فوج کشی کی کچھ دنوں ٹھٹھہ کا بھی حاکم رہا۔ —— وہ ایک بلند پایہ شاعر تھا۔ مرزا صائب سے مشق سخن کرتا۔ رفتہ رفتہ اسکا ذوق اتنا

بڑھا - کہ خود مرزا صائب اسکی سخندانی کا مداح ہوگیا -- وہ جب صائب کے کلام پر تنقید چینی کرتا تو خود صائب اسکی داد دیتا

چنانچہ ظفر خان کو مخاطب کرکے وہ قصیدہ میں کہتا ہے :-

تو چنان زدخل بجا مصرع مرا دادی — تو از فصاحت دادی خطاب سحبانم

ظفر خان صائب کا بڑا مداح (فرو داشت) تھا - چنانچہ صائب کہتا ہے :-

خانخانان را ببزم و رزم صائب دیده‌ام — در سخا و در سخن چون ظفر خان کس نیست

ظفر خان نے اپنے عہد کے تمام نامور شعرا مثل صائب، کلیم، قدسی، شیدای زرگری، سالک یزدی، سالک قزوینی، میر رضی دانش، اور میر صیدی وغیرہم کے کلام کو ایک بیاض میں ہر ایک کے دستخط خاص سے لکھوایا تھا - اور ہر ایک کی تصویر بھی اسکے ساتھ منسلک کرا دی تھی -- وہ خود بھی صاحب دیوان تھا -- نمونہ : منتخبہ میر غلام علی آزاد -

دلم بکوی تو امیدوار می آید — نگاه دار که روزی بکار می آید

در گوشه میخانه ہمیں لطف شبی بود — یاران برسانید دعای شب عید است

در بتان میند چون او دلبر خود کام نیست — رام را هم گرم میگوید ولیکن رام نیست

شادم بدل شکستگی خود که پیش من — قدر دل شکسته چو زلف شکسته است

گوشه چشمی اگر ساقی بما دارد بجاست — عمرہا در گوشه میخانه خدمت کرده‌ام

ظفر خان نے دو مثنویاں بھی لکھیں ایک لاہور پنجاب "کشمیر" اور الگ وغیرہ کی تعریف میں تھی دوسری کا نام میخانہ راز تھا

(بحوالہ فہرست کتبخانہ بانکی پور - اودھ - ص ۲۲۶ -)

آشنا - مرزا محمد طاہر نام ظفر خان کا لڑکا تھا -- اسکی ماں بزرگ خانم ممتاز محل کی بڑی بہن ملکہ بانو کی لڑکی تھی - شاہجہان نے انکو بہت ہی کم عمری میں یعنی جب وہ صرف بیس سال کا تھا - منصب عطا کیا - اور جب یہ شعور کو پہنچا تو ہزار و پانصدی منصب پر مامور کیا - اور اسکے ساتھ داروغہ حضور مقرر کیا - شاہجہان نے اسے ہمیشہ اپنا ندیم خاص

بنا رکھا — آشنا نے اپنی عمر کا آخری حصہ کشمیر میں گذارا — عالمگیر کے زمانہ میں انکو چوبیس ہزار روپیہ لاونہ وظیفہ ملتا تھا — باپ سے شعر و شاعری کا ذوق وراثت میں پایا تھا — شوخ طبع تھا — بے حد شعرا کو اپنے گھر بلاتا — اور کھانے کی چیز دل میں نشہ آور چیزیں ملوا دیتا — شاہی آئینہ خانہ کی تعریف میں وہ کہتا ہے! —

حبذا این نشیمن والا
که بجد و رشک عالم بالا

دل ز کف برده حسن دلجوئی
طاق آئینه چشم و ابروئی

کرده بنای این نکو منزل
از یک آئینه این تمام چو دل

غزل
چشم آن لحظه که در هجر تو بیمار شود
خار پشت مژه ام غیرت گلزار شود

عقل ناچار کشد زحمت ز آلایش نفس
دایه پرهیز کند طفل چو بیمار شود

رباعی
کم ظرف ز عشق خرمن هستی سوخت
پر حوصله نور زندگانی افروخت

کاهیده خرد ز عشق و افزود جنون
از باد چراغ مرده و آتش افروخت

کشمیر پر ایک مثنوی لکھی — ایک ساقی نامہ بھی اسکی طرف منسوب ہے — جب شاہی کتبخانہ کا نگران تھا — تو عبد الحمید لاہوری اور محمد امین قزوینی کی تاریخوں کا ایک ملخص تیار کیا — جس میں شاہجہانی عہد کے تیس سال کے حالات تھے —

آمانی — جہانگیری عہد کے جلیل القدر امیر اور شاہجہاں کے حربی مہابت خان سپہ سالار کا لڑکا میرزا امان اللہ بھی صاحب علم و صاحب سخن تھا — آمانی تخلص کرتا تھا — جہانگیر نے سہ ہزاری منصب اور خانہ زاد خان کا خطاب — اور شاہجہان نے پنجہزاری منصب اور خان زمان کا خطاب دیا — کابل، بنگالہ، مالوہ اور دکن کی صوبیداریوں پر فائز رہا — سپہگری کے علاوہ علوم و فنون کی سرپرستی کیلئے بھی مشہور تھا — اسکی کئی تصانیف تھیں — تاریخ سلاطین عالم، مجموعہ گنج باد آورد، اور ایک دیوان —

نمونہ کلام! —

هر دور جام ما بنویسید نام ما — تا نام ما بدور بماند ز جام ما

دوران اگر بکام نگردید گو مگرد — این بس که دور جام بگردد بکام ما

هر نفس از گریه میشویم دل افسرده را — شست و شو از آب حیوان میدهیم این مرده را

رباعی:
بیگانہ ز خویشیم آشنا میخواہیم — در پہلوی عندلیب جا میخواہیم
چون غنچه مهیای شگفتن شده ایم — تحریک نسیمی ز صبا میخواہیم

سلطان شادمان: پنجاب اور حسن ابدال کے درمیان بسنے والی قوم گکھر کے حکمران خاندان کی نسل سے تھا۔ مرآة الخیال کا مصنف اسکو ایک عالی فطرت اور نیک خو بیان شاعر لکھتا ہے — زبان میں لکنت تھی مگر شاہجہان کو اسکا کلام بہت پسند تھا — اور اسکی انعام و اکرام مالا مال کر دیتا تھا — اس نے تخت طاؤس پر قصیدہ کہا جو پسند کیا گیا

صبحدم کز فیض گشتم همنشین آفتاب — نقش نام شاه دیدم در نگین آفتاب

شاه دین پرور شهاب الدین محمد بادشاه — ثانی صاحب قران مه قرین آفتاب

آفرین آفتابش گفته ام هستم خجل — زانکه باشد سایه حق برترین آفتاب

معجز وصف سریرش بین که همکام مذوق — تخم گلهای مدحش در زمین آفتاب

تخت شاهنشاه ما از آب گهر پیدا کند — موج دریای خجالت بر جبین آفتاب

صفحه اشعار من از وصف تخت بادشاه — چون ید بیضا بود در آستین آفتاب

روی او در تکیه شهنشه آب و تاب لعل و در — خیرگی بخشد بچشم دوربین آفتاب

دلنشین
خوبی اعجاز مدح شاه را نازم که ساخت — از بلندی معنی من دلنشین آفتاب

شادمان ظل شهنشه بر جهان پاینده باد — تا بود رخش فلک در زیر زین آفتاب

اسی شادمان نے عالمگیر کے سامنے اسکی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا — جسکو بوجہ لکنت کی ادا نگر سکے پسند کرکے بتکرار پڑھوایا

اگرچہ اسکے دربار میں مدح سرائیوں اور قصیدہ خوانیوں کی مطلق اجازت نہ تھی - وہ قصیدہ یہ ہے :-

آں کیست کو ز حلقۂ لعلت نشاں دہد — صد خواب اگر دہد بطریق گماں دہد

آب حیات خضر کہ عمریست جاوداں — تا کے ز حسرت لب لعل تو جاں دہد

فکر سخن مرا کہ خضریست فی المثل — خود در عدم رود چو نشاں زاں میاں دہد

ابر قلم کہ آب سیہ میچکد ازو — رنگ سخن ز وصف لب گلرخاں دہد

قد تو در خرام بگلگشت بوستاں — صد پیچ و خم ز شرم بلب جو رواں دہد

آنجا کہ اوست نالۂ عاشق کجا رسد — گر بال جبرئیل بمرغ فغاں دہد

از چشم جانستانش چہ خواہیم حیات نو — مژگاں جواب من بزباں سناں دہد

گر دل ستاند از نگہ عشوہ آفریں — صد دل عوض ز طرۂ عنبر فشاں دہد

چوں شیشۂ شراب کہ با محتسب دہند — کس دل چرا بدست تو نامہرباں دہد

نازم بچہرہ کہ بہنگام مے ز عکس — رنگینی بہار بفصل خزاں دہد

ہر چیز را بخاصیتے آفریدہ اند — کے سرمہ در گلو اثر زعفراں دہد

من خود بدرد یار خوشم ورنہ روزگار — کے اینقدر الم بدل شادماں دہد

چشمش با بروان و مژہ کشت عالمے — کس ترک مست را زچہ تیر و کماں دہد

زلفش مزوّر یست مکن اعتبار او — از عشوہ گر دلے بتو شب در میاں دہد

مضمون دلنشیں کہ رسد از جہان غیب — یاد از طراوت سخن باستاں دہد

مرداں بود کہ گر ہمہ عالم باو دہند — دل کم دہد بشادی و غم تا کہ جاں دہد

ما جاں بنقد مہر و وفا دادہ ایم و بس — دیوانہ نیستیم کہ فانی میاں دہد

شاید مرادِ من که نخواهیم ز آسمان — او رنگ زینتِ دلِ گیتی ستان دهد

شاهی که از برای سرِ دشمنانِ دین — بهر نثار گوهر تیغ یمان دهد

بهرام صولتی که ز بیمش بے گریز — گردون عنانِ خود به ره کهکشان دهد

تا ارض بر سکون و سما در تحرک است — تا چتر آفتاب ز مشرق نشان دهد

زیبنده باد بر سر او رنگ سلطنت — تا ابر و مهر راتبِ دریا و کان دهد

فانی: شیخ محمد محسن فانی کشمیری - ملا محمد طاہر غنی کے استاد تھے - دارا شکوہ کے بھی ندیم رہے - بیت تذکرہ نویس اسکی علمی قابلیت اور ادبی صلاحیت کے مداح ہیں - شاہجہان نے الہ آباد کی صدارت تفویض کی جہاں انہے حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی سے سلوک کی تعلیم پائی - جب نذر محمد خاں والی بلخ و بخارا کو شاہی فوجوں نے شکست دی تو اسکے مال و اسباب میں شیخ فانی کا ایک دیوان بھی پایا گیا جسمیں اسکی شان میں ایک قصیدہ بھی تھا - شاہجہان کو یہ ناگوار ہوا - اور اسے صدارت سے معزول کر دیا - لیکن اسکے علم و فضل کی قدردانی کے طور پر سالانہ وظیفہ ملتا رہا - اور وہ کشمیر میں درس و تدریس میں مشغول رہے - اور اسکے ہاں علماء و امرا کا ہمیشہ ہجوم رہتا تھا - کلام میں رنگینی روانی اور لطافت ہوتی تھی - لیکن بیدلی الفاظ بھی کبھی کبھی ہیں - آپ فانی کے مانند صبح میں لکھتے تھے - شاہجہاں کی مدح میں ایک قصیدہ :-

نوبهار آمد بسیرِ گلشن بنهد و ستان — زیبد ار طوطی بجای پر بر آرد برگِ پان

چشم مردم از سواد هند روشن میشود — گو بیارد کس متاع سرمه را از اصفهان

در چمن هر صبح مینا میکند راگِ بسنت — نیست طوطی را بجز کلیان چو بلبل بر زبان

بسکه دارد در چمن میلِ گرفتاری سرو — زیبد ار قمری ز طوقِ خویش بندد آشیان

چشمه میگیرد چو نرگس دیدگان را ز انتظار — لاله مے بندد حنا چون گل بپای باغبان

گل ز شبنم ہا ز خجلی بگردن افگنده | تا تواند شد حریف شاه هندوستان

باغ و صحرا سبز شد از فیض ابر نوبهار | شد همه صحن زمین همرنگ بام آسمان

چشم نرگس از سواد هند روشن میشود | در گلستان لاله را از سرمه پر شد سرمه دان

گرچه گلها هم غزلها خوانده در وصف بهار | لیک نبود در چمن چون سبزه کس رطب اللسان

بسکه سوسن میکند با ده زبان وصف چمن | دور نبود گر ز حیرت غنچه را واشد دهان

تا لب جو سبز شد از فیض ابر نوبهار | جدول زنگار دارد صفحهٔ آب روان

سیم و زر را وام میگیرد ز خجلی چون بخیل | نرگس از بهر نثار ثانی صاحبقران

بادشاه قدردان شاهجهان کز فیض او | گوشهٔ باغ جهان شد رشک گلزار جنان

از هوای گرم در هندوستان باکی نیست | بر سرش تا سایهٔ بال هما شد سایبان

نیست تنها بار بردار وقار او زمین | بسته گردون هم کمر در خدمتش از کهکشان

جزیه از کافر گرفتن پیش او چون فرض بود | همت از حاتم گرفت و عدل از نوشیروان

هیچ کس از سفرهٔ احسان او بی بهره نیست | شد ز دود مطبخش آباد چندین دودمان

در زمان دولتش نبود عدو هم بی نصیب | میکشد در چشم دشمن سرمه از میل سنان

شیخ فانی نے ایک مثنوی مصدر الآثار میں لکھی جسکا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:—

بسم اللہ الرحمن الرحیم | تازہ نہالیست ز باغ قدیم

آشوب

محمد حسن نام تھا — مشہد ماژندران سے اکر ظفر خان احسن کے دربار سے وابستہ ہوا۔ لطف اللہ ہندی نے اسکو بھی شاہجہاں کے درباری شعرا میں گنوایا ہے — آزاد بلگرامی اسکے دو شعر نقل کرتے ہیں مگر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ دو شعر حسن بیگ رفیع کی طرف بھی منسوب ہیں — یہ دو شعر ہیں:—

سبزه از مژگانِ ترم مشق شادابی گرفت — نرگس از چشم ترم تعلیم بیخوابی گرفت

نور اشکم را ابر دور از مردم چشمم گرفت — گرد او گردم که باج از مردم آبی گرفت

میر الٰہی ہمدانی - ہمدان کے علاقہ اسد آباد کے سادات میں سے ہیں اصفہان میں حکیم صفائی اور آقا رضی کی صحبت سے فیضیاب ہو کر ہندوستان آیا۔ اور شاہجہاں کے دربار میں ملازم ہوا۔ (کشمیر میں فوت ہوا اور فسید گاہ اور کشمیر ہی میں حضرت بہاء الدین گنج بخش کے صحن پاک میں مدفون ہوا) غنی نے تاریخ لکھی ”تبرد الٰہی ز جہان گوی سخن“
۱۰۶۴

نمونہ کلام :- زمانہ بسکہ مرا خاک در مردم کرد — ز آب دیدہ من میتوان تیمم کرد

رباعی — تو دوریست ای تازه گل باغ مراد — چون غنچه چکیده خنده لب رفته ز یاد

گریان چه پیاله بزم در کف مست — نالان چو سبوی خالیم در رهِ باد

(اصلی قبر پر ایک لوح تھا جس پر لکھا تھا :- میر الٰہی ملک ملک لفظ + لحد در اقلیم سخن بے قرین + سال وفاتش طلبیدم ز عقل گفت بگو بود سخن آفرین — تاریخ اعظمی سے یہ پتا چلتا ہے کہ دو لوح ۱۹۶۰ء تک بھی دارا -)

یا الٰہی ز الٰہی تو چه پرسی در حشر — آنچه او کرد تو دانی و چه گفتن دارد -

چشمت از ہر گردشی عہدی بپیا و تازه بست — خط مشکینت کتاب حسن را شیرازه بست

نشئه از تشنگی تو دارم که چاک سینه ام — چون خمار آلوده نتواند لب از خمیازه بست

شب ہجران ز لبش لب بلب کلفت گشته لب ریزد — چه گرد از دامن مژگان نگاه حسرت آلودم

چنان از راه متاع زندگی را امید ہم از کف — که گوی پا کاروانِ عمر سے آید ز لبش مارا

آقی - ذوق و فرزانه سے بے بہرہ تھا - مگر شعر گوئی میں کافی شہرت حاصل کی - شاہجہاں کے عہد میں کاشانہ شیراز سے شاہجہان آباد آیا شاہی دربار میں قصائد پیش کئے انعام و اکرام پا کر واپس شیراز چلا گیا - اور وہیں انکا یہ شعر مشہور ہے

تا دلم در صفتِ حسن تو غزلخوان شده است — وصف ابروی تو سر مطلع دیوان شده است

باقیا (باقی) نائینی۔ شاہجہانی دربار کا ایک مقبول شاعر تھا۔ نام عبدالباقی وطن نائین تھا۔ عراق میں حکیم شفائی اور خراسان میں میرزا فصیحی کی صحبت سے فیضیاب ہو کر ہندوستان آیا۔ طالب آملی کی وساطت سے مرزا غیاث بیگ اعتمادالدولہ کے دربار میں پہنچا اور پھر شہزادہ خرم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب خرم سریر آرائے سلطنت ہوا۔ تو اسکو شاہانہ نوازش سے سرفراز کرتا رہا۔ سنہ ۱۰۴۶ کے جشن نوروز میں وہ بھی روپے سے تلوایا گیا۔ شاعری کے ساتھ موسیقی کا بھی ماہر تھا۔ چنانچہ اس پر ایک رسالہ بھی لکھ چکا۔ نمونہ کلام !۔

زاں زخم کہ بیش تو کل کا سماں از بہر ہیں   برساند روزی و چرخ دگر ہم نبرند

ہمہ حاصل جہانرا بنشاط صرف کل کن   ہر کافر و مسلماں بنشین و صلح کل کن

رفتند بمنزلگہ مقصود عزیزاں   باقی است کہ وا ماندہ دریں مرحلہ تنہا۔

توبہ کردیم کہ تا بادہ نباشد نخوریم   تا کہ ساقی پسر سادہ نباشد نخوریم

بادہ تا میکدہ معمور نباشد نکشیم   روزہ تا روزی آمادہ نباشد نخوریم

لطف اللہ مہندس کے گنائے ہوئے شعرا کے علاوہ بہت سے اور بھی ارباب سخن بارگاہ شاہجہانی سے منسلک تھے ان میں سب سے پہلے میرزا صائب پر نظر پڑتی ہے۔ یہ تبریز میں پیدا ہوا۔ اصفہان میں تعلیم پائی۔ شاعری میں حکیم رکنا مسیح کاشی اور حکیم شفائی کا شاگرد تھا۔ جہانگیر کے زمانہ میں بسلسلہ تجارت ہندوستان آیا۔ دربار میں بھی لیکن اسکی شاعرانہ صلاحیت کا جوہر شاہجہانی دور میں چمکا۔ شاہجہاں کی آمد پر ایک تاریخی قطعہ لکھا۔ اور بارہ ہزار روپیہ انعام پایا۔ بعدہ منصب ہزاری اور مستعدخان کا خطاب بھی ملا۔ سنہ ۱۰۳۹ میں شاہجہاں نے دکن کا رخ کیا۔ اور صائب رکاب میں تھا۔ شاہی دربار ہی میں ظفرخان احسن سے ملاقات ہوئی۔ پھر دونوں ایسے شیر و شکر ہو گئے۔ کہ اب بھی دونوں کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے۔ ظفرخان صائب کو کشمیر ساتھ لے گیا۔ سنہ ۱۰۴۲ میں صائب نے مشہد اقدس کی زیارت کو جانا چاہا۔ تو شاہجہاں نے پانچہزار روپیہ زاد سفر کے لئے دئے۔ اسکے باپ کو جو اسکی سخت محبت تھی وہ خود ہندوستان آیا اسکو اپنے ساتھ واپس وطن لے گیا۔ ایران پہنچ کر شاہ عباس ثانی اسکا بڑی قدردانی کی اور اسکو اپنے دربار کا ملک الشعرا بنایا۔

جب نواب جعفر خاں عالمگیر کا وزیر اعظم مقرر ہوا۔ تو مرزا نے یہ شعر لکھ کر بھیجا:

دور گشتان را باحسان یاد کردن ہمت است — ورنہ ہر نخلے بپای خود ثمر می افگند

اس پر جعفر خاں نے پانچہزار ایک روایت سے روپے اور دوسری روایت سے اشرفیاں بھیجیں۔ سنہ ۱۰۸۱ میں وفات پائی۔ مزار پر اسکی ایک غزل کا یہ مطلع کندہ ہے:

در ہیچ پردہ نیست نباشد نوای تو — عالم پر است از تو و خالیست جای تو

کسی صاحب ذوق نے اسکے مزار کو ایک پر فضا مقام پر دیکھکر یہ شعر بھی لکھدیا ہے:

ای صبا بر برگہای غنچہ پا آہستہ نہ — پاسبانانہ گلہا صائبا خوابیدہ است

مولانا شبلی کا قول ہے۔ "ایران میں شاعری رودکی سے شروع ہو کر مرزا صائب پر ختم ہو گئی"۔ نیز یہی مولانا محمود نے بحوالہ کلمات الشعرا تحریر فرمایا ہے۔ کہ مرزا کی زندگی ہی میں اسکے کلام کو یہ حسن قبول حاصل ہو چکا تھا۔ کہ سلاطین و امرا شاہ ایران سے اسکے کلام کی استدعا کرتے تھے۔ اور تحفۃً دوستوں کیطرح اسکی غزلیں بھیجی جاتی

مسیح کاشی — پورا نام حکیم رکن الدین مسعود۔ تخلص مسیح، یہی۔ کاشان میں توطن اختیار کیا تھا۔ خاندانی پیشہ طبابت۔ اسلئے حکیم رکنا مسیح کاشی کے نام سے مشہور ہے۔ شاہ عباس کا ندیم خاص تھا۔ کسی رنجش کی وجہ سے قطع تعلق کر کے یہ مطلع لکھا! اور ہندوستان آیا

گر فلک یک صبحدم با من گران باشد سرش — شام بیرون میروم چون آفتاب از کشورش

اکبر۔ جہانگیر اور پھر شاہجہاں کے درباروں میں رہا۔ کچھ دنوں نواب خانخاناں اور اسکے لڑکے امان اللہ کی خدمت میں بھی رہا۔ شاہجہاں کی تخت نشینی کے موقع پر ایک تاریخی قطعہ لکھا۔ اور بارہ ہزار روپیہ انعام پائے۔ دو شعر یہ ہیں۔

بادشاہ زمانہ شاہجہاں — خرم و شاد و کامران باشد

بہر سال جلوس او گفتم — در جہاں باد تا جہاں باشد ۱۰۳۷

سنہ ۱۰۴۱ میں شاہجہاں سے مشہد اقدس کی زیارت کی اجازت چاہی۔ زاد راہ کیلئے ۵ ہزار روپیہ ملے۔ بعد زیارت وطن چلا گیا۔ وہیں ۱۰۵ سال کی عمر میں سنہ ۱۰۶۶ میں وفات پائی۔ لاکھ اشعار کا دیوان چھوڑا۔ صائب نے اسکا انتخاب کر کے اپنی شاگردی ادا کیا۔ کلام کا نمونہ:

درین آمیختهٔ از تو اثر پیدا نیست همه شیرست درین کاسه شکر پیدا نیست

آنچنان با تو یکی گشت وجودم ای دوست که شراب تو توان دیدن و بی من نتوان

تمام عمرم با شاید دو ساله گذشت حباب دار مرا عمر در پیاله گذشت

روز اول کاندرین ویرانه بنهادم قدوم بازوی بالیست گشتن و هر دیوار ملامت

همچو نگین که بهر نگین دان شد ست خلق او را خدا برای کنار آفریده ست

منتخب نامہ میں اسکا ایک شعر فی مالہ بھی درج ہے - اسکے دو بھائی حکیم قطبا اور حکیم نصیرا بھی ہی جید و سیما سے بہرہ یاب بھی رہے حکیم قطبا کا لڑکا ضیاء الدین رحمت خان شاہجہان اور عالمگیر کے درباری امراء میں سے تھا اور ابوطالب کلیم کی لڑکی اسکے حبالۂ عقد میں تھی

حکیم حاذق گیلانی شاہجہانی امراء میں اسکی رعونت و خود پسندی مشہور تھی - حکیم ہمام کا لڑکا تھا - اسلئے وراثت میں طبابت و مہارت کے علاوہ علم و ادب کا ذوق بھی پایا تھا - شاہجہان نے منصب عطا کیا - سفیر بنا کر توران بھیجا - واپسی پر عرض مکرر کی خدمت تفویض ہوئی - درباری مورخوں کے ساتھ اس عہد کی تاریخ لکھنے میں بھی شریک رہا - آخر میں گوشہ نشین رہا - اور سالانہ وظیفہ ملتا رہا - اشعار ضرور صاف و پاکیزہ کہتے تھے - مگر اپنی خود بینی کی بنا پر اپنے کو انوری سے بھی بہتر تصور کرتا تھا - اپنے دیوان کو بڑی آرائش کے ساتھ لکھوا کر ایک مرصع طشت پر رکھا کرتا - جب کلیم آتا - تو ایک مطلا رحل پر اپنے دیوان کو رکھ کر سناتا - کسی مجلس میں جاتا اور عمائدین اسکی تعظیم کیلئے نہ اٹھتے تو برہمی کا اظہار کرتا! - کلام کا نمونہ:-

دلم بہیچ تسلی نمیشود حاذق بہار دیدم و گل دیدم و خزان دیدم

بوی گل امشب ز دود شمع می آید مگر بلبل آتش به پر زد گستر پروانہ ریخت

ز بیر تسبیح دستم عار دارد که سبحه بر میان زنار دارد

نمی آرم تسبیح را بر دست گیرم که او ذاکر بود گر من بمیرم

سعیدای گیلانی - شاعر بھی تھا - اور اعلیٰ قسم کا صناع بھی - زرگری میں غیر معمولی کمال حاصل تھا - اسلئے شاہجہان نے اسکو زرگر خانہ کا داروغہ مقرر کیا - اور بے بدل خان کا لقب دیا -

شاہجہانی عہد کا سب سے بڑا صنعتی کارنامہ تخت طاؤس اسکے ہاتھوں انجام پایا۔ یہ ایک کروڑ روپے کی لاگت سے سات سال میں تیار ہوا۔ اسکا طول سوا تین گز۔ عرض ڈھائی گز۔ بلندی پانچ تھی۔ اس تخت کے اندرونی حصہ میں زیادہ تر میناکاری کا کام اور کچھ حصہ مرصع تھا۔ چھت کے بیرونی حصہ میں لعل و یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ اور اسکو زمرد بارہ ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ چھت کے اوپر دو مرصع طاؤس بنائے گئے تھے۔ انکے درمیان ایک درخت نصب کیا گیا تھا۔ جو لعل، الماس، زمرد اور مروارید سے مرصع تھا۔ تخت پر چڑھنے کیلئے تین پائے کی ایک سیڑھی تھی۔ جو جواہرات سے آراستہ تھی۔ تخت کے گرد تکیہ لگانے کیلئے گیارہ مرصع تختے تھے۔ جنمیں سے درمیانی کا تختہ جس پر ہاتھ رکھکر بادشاہ تکیہ لگاکے بیٹھتا تھا۔ دس لاکھ روپیہ کی قیمت کا تھا اور اسمیں ایک لعل تھا جسکو شاہ عباس صفوی نے تحفتہً جہانگیر کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس پر پہلے امیر تیمور، میرزا شاہ رخ، میرزا الغ بیگ کے نام کندہ تھے۔ شاہ عباس نے بھی اپنا نام لکھوایا تھا۔ پھر جہانگیر نے اپنا اور اکبر کا نام کھدوایا۔ اسکے بعد شاہجہاں نے اپنا نام کندہ کرایا عالمگیر کے اوائل دور میں اس تخت کی ترصیع و ترتیب میں اور اضافہ کیا گیا۔ بے بدل خان نے جب اسکو تیار کیا۔ تو شاہجہاں نے خوش ہوکر اسکو روپیہ میں تلوایا۔ اور جب آٹھویں سال جلوس کے جشن میں شاہجہاں اس پر جلوہ افروز ہوا۔ تو شعراء نے قصیدے قطعے، مثنویاں پیش کیں۔ حاجی محمد جان قدسی نے بھی ایک تاریخی مثنوی لکھی جسکے چند اشعار یہ ہیں :-

زہے فرخندہ تخت پادشاہی + کہ شد سامانش بتائید الٰہی — فلک روزے کہ میکردش مکمل + زر خورشید را بگداخت اول

بحکم کارفرما صرف شد پاک + بمیناکاریش مینائے افلاک — جز این تخت از زر و گوہر چہ مقصود + وجود گوہر و کان را حکمت این بود

زیاقوتش کہ در قیمت بہا نیست + لب لعل بتان را دل بجا نیست — برای پایہ اش عمرے کشیدہ + گہر افسر سر خاتم ندیدہ

بجز جشن عالم از زر شد چنان پاک + کہ شد از گنج خالی کیسۂ خاک — اساس گر فلک خود را بپایش + دہد خورشید دہ را رونمایش

سرافرازے کہ مسر بر پایہ اش سود + ز گردون پایہ بر تخت افزود — اثر با قیمت تاکوں دکھا را + بود بر تخت جا شاہجہاں را

بود تختے چنین بر روئے جایش + خراج ہفت کشور زیر پایش — چو تاریخش زبان پرسید از دل + بگفت اورنگ شاہنشاہ عادل ۱۰۴۴

دیگر شعراء کے علاوہ خواجہ صنائع سعیدائے گیلانی نے ۱۳۴ اشعار کا ایک قصیدہ کہا جسکے اشعار سے شاہجہاں کے ذوق و انفاس

سلطنت کی تاریخیں لکھی تھیں۔ اسکے چند اشعار یہ ہیں :—

۱۰۰۰ھ

خدای واحد بیچون جهان محمود عیان — برای شاهجهان بادشاه گل جهان

بداد وجود و باحسان سرشته آفاق — عظیم و عالی و دانا نواز و ملک ستان

هزار سال بماناد آنکه هر دم از و — بجود بدور جهان صد هزار جان شادان

بمدح شاهجهان طبع این دوازده بیت — ز قسمت ازل آورد از دلم بزبان

ازان دوازده هر مصرعی نگاه نگار — کند تولد شاه جهان پناه بیان

۱۰۳۷

باکبرآباد از عهد کامران بسر بیر — جلوس کرد ز تا شد عالم شادان

هزار بود چهل و سه سال از هجرت — که شد بدولت بادشاهی و سپاه گران

بنو بهار بیامد بگلشنی سر سبز — گل بهار آید با هوا چو گل خندان

ز کامرانی نوروز عزم کرد و محمود — سوی مدینهٔ لاهور بر جهان شادان

هزار گونه بود گل بکوه و هر قدمش — هزار چشمه و چه هر ز چشمهٔ حیوان

بسوی هند عنان باز زود شد با جاه — جهانده برق نما ابر چو باد دوان

بداد وجود بدار الخلافه آمده بار — فلک بدور عطا و ملک بدور عدل

هزار شکر بیفزود باز حسن جمال — ز نو بهار بسر سبز چو ابر الوان

بدار امن ز نزال سایه فتاد ملک — بداد تا بابر دستگاه و مایهٔ کان

جمال و رنگ او رنگ بادشاه زمین — بداد گیتی صد رنگ بر زمین ز زمان

خدیو ملک و ملل پاسبان بدین و دول — جهان گشاد بامداد قوت ایمان

جهان پناه شاهنشهی و دریا دل — محیطی از کرم و جود لنگ بی پایان

جہان پناہ شاہنشہی

ز سہم گرز و سنانت دل عدو جاوید — شود بزیر زمین چو رنگ جنبندہ پامال

از آن بود سر دشمن بہ پیش سنگ سیاہ — کہ از برای حمایت بود مدام افشان

غزل کا نمونہ:- ستارہ آن مہ زرین رکاب می آید — بچہرہ رشک ہزار آفتاب می آید

بآب تیغ تو دل میکشد ز آب حیات — چو تشنہ کو سوی آب از سراب می آید

کند عرق رخت ای نازنین ز تاب نگاہ — بروے حسن تو از آتش آب می آید

تو مست حسنی و من مست عشق چیست چہ فرق — چنین دو مستی کہ از شراب می آید

میر یحیی کاشی - کاشان کا رہنے والا تھا۔ شاہجہاں کے دربار میں پہنچا۔ شاہجہاں آباد کی تعمیر کی تاریخ یہ لکھی:-

"شد شاہجہان آباد از شاہجہاں آباد" ۱۰۵۸ شاہجہاں نے پانچ ہزار روپے انعام دیئے۔ پھر ایک اور دفعہ سو اشرفیاں عنایت کیں

شاہجہاں کے حکم سے "بادشاہ نامہ" کو منظوم کرنا شروع کیا تھا۔ اسکا ایک شعر ہے:-

سر راجپوتاں جگت سنگھ بود — کہ بر شیشۂ فلک سنگ بود — شاہجہاں نے اعتراض کیا۔

جگت سنگھ کی اسکی حیثیت کے لحاظ سے سر راجپوتاں کہنا اور سنگھ کو سنگ کا ہم قافیہ بنانا درست نہیں۔ یحیی نے جواب دیا

ہم مغل اس قسم کے الفاظ کی تفریق نہیں کر سکتے —

میر رضی دانش - مشہدی - ہندوستان بادشاہوں کی داد و دہش کا تھا۔ وطن سے ہندوستان چلا آیا۔ چنانچہ اسی شوق میں کہتا ہے

راہ دور ہند بانسبت وطن دارد حرا — چون حنا شب درمیان رفتن بہندوستان خوش است

اسکے کلام کی صفائی، شیرینی اور دلآویزی مشہور تھی۔ شاہجہاں کے دربار سے وابستہ ہوا۔ سنہ ۱۰۶۵ میں ایک قصیدہ پیش کیا جسکے اس شعر پر

بخوان بلند کہ تفسیر آیۂ کرم است — خطے کہ از کف دست مبارکش پیداست

شاہجہاں نے دو ہزار روپے عنایت کئے۔ اسکا اصلی سرپرست دارا شکوہ تھا۔ شاہزادہ شجاع کی بھی ملازمت کی۔ عبداللہ قطب شاہ

والی حیدرآباد دکن کے پاس بھی پہنچا۔ مگر آخر [illegible] دارا شکوہ کی [illegible] رہی۔ اسکی مشہور ایک غزل کا حسن مطلع ہے

دارا نے اسے ایک لاکھ روپیے انعام دیا اور اسکے دو شعر مصری کی طرح خاطر اور لکھے شعر لکھوائے۔ اور خود بھی ایک شعر لکھا

موسمے آں شد کہ ابر تر چمن پرور شود　　نکہت گل مایۂ شور جنوں در سر شود

تاک را سیراب از ای ابر نیسانی در بہار　　قطرہ تا مے میتواند شد چرا گوہر شود

نالۂ بلبل نہاں در پردۂ برگ گل است　　بید ما ہم کاش ازیں یک پردہ نازکتر شود

ما بذوق گریۂ مستی درایں بزم آمدیم　　مے بدہ ساقی بقدر آنکہ چشمم تر شود

راز پوشیدن نباید داشتن از شیوۂ عشق　　درمیان انجمن پروانہ خاکستر شود

دارا کا شعر:- سلطنت سہل است خود را آشنای فقر کن　　قطرہ تا دریا تواند شد چرا گوہر شود

رفیع　مرزا حسن بیگ نام۔ قزوین وطن۔ کچھ مدت مشہد میں رہنے کی وجہ سے مشہدی بھی لکھا جاتا ہے۔ سلطان محمد خان والی بلخ کی ملازمت کے بعد ہندوستان آیا۔ شاہی دربار میں منسلک ہوا۔ عالمگیر کے عہد میں کشمیر کا دیوان بیوتات بھی رہا۔ اپنے اس شعر پر فخر کرتا تھا:- عمر اگر خوش گذرد زندگی خضر کم است　　ور بناخوش گذرد نیم نفس بسیار است ― میر نجف نے کچھ اعتراض کیا۔ کہ یا "ناخوش" ہونا چاہئے یا "بنا خوشی"۔ تو یا دل ناخواستہ تبدیلی "لکھا۔ مگر ساتھ ہی کہا کہ شعر کا مزہ جاتا رہا۔ شاہجہان آباد پر ایک مثنوی لکھی۔ تخت طاؤس کی تعریف میں اشعار ہے:-

اگر با سپاس شود دست خواب　　برو ریش فشانہ زیاقوت آب

شاہی عمارت کی تعریف میں:- خدا نقش را بجائے رساند　　کہ آتش زہمراہی سنگ ماند

میر صیدی طہرانی ― ہندوستان آیا۔ سنہ ۱۰۶۵ میں شاہجہان کا ملازم ہوا۔ ایک قصیدہ پیش کیا۔ جسکا مطلع یہ تھا

زہے جہان خدارا سپہر عدل و کرم　　بزیر سایۂ عدل تو نیز اعظم ― شاہجہان ہزار روپے انعام دیا۔

دیوان کے علاوہ کشمیر پر بھی ایک مثنوی لکھی ہے ― کلام کا نمونہ

مارا برگ سبز کجا یاد میکنند　　آں گل کہ منع بوی خود از باد میکنند

صیاد ما بنالۂ ما گوش کردہ است　　مرغے کہ پیر گشتہ شد آزاد میکنند

دوشنبہ ۲۹ رمضان

دعوت بصحبت یاران رفتہ روز ...
دیر سے آید قیامت گشتہ تنہائی ...
بجلیس رفتم و دو پائے دل جاں شکست ...
بحمد اللہ کہ تقریب شود از پیر شکست ...

باغ را از رخنۂ دیوار سے بینم مدام
با نقاب ما دو رنگ اے بوستاں گل ...
با بید و صالت ...
ننجخوا ہم چہ حق بیگانہ ...

سوخت از تب شعلهٔ شمعم که در راه طلب — از لطافت کرد پنهان جادهٔ پیموده را

در بزم او مجال نشستن نیافتیم — چون نرگس ایستاده کشیدیم جام را

غباری دارد از خط ماه رخسارش که گر هیچ — مصور جمع سازد صورتش خالی نمیگردد

اسکے علاوہ بعض دیگر شعراء کے نام جو شاہجہاں کے دربار سے منسلک رہے ہیں: — عماد، فتحی، عسکری کاشانی، کیفی، نو مسلم، ادہم، مرزا وغیرہم ____ شاہجہانی دور کا سب سے ممتاز ہندو شاعر اور ادیب

برہمن تھا۔ چندر بھان نام اور لاہور وطن تھا۔ پہلے میر عبدالکریم میر عمارت لاہور کے ہاں ملازم رہا۔ پھر امیر الامرا افضل خان اسکے بعد امیر عاقل خان نے دربار میں پہنچایا۔ خط شکستہ میں یہ رباعی لکھکر شاہی خدمت میں پیش کی

شاہے که مطیع او دو عالم گردد — هر جا که سری است پیش او خم گردد

از بسکه بدورش آدمی یافت شرف — خواهد که شرف نیز آدم گردد

شاہجہاں نے اسکو واقعہ نویسی پر مامور کیا۔ پھر سفارت کا دائرہ اور دیگر پورہ پاس ہی تھی۔ اور پھر دارا شکوہ کا میر منشی ہو رہا۔ دارا اسکا بہت قدردان اور مداح تھا۔ شاہی دربار سے رائے کا خطاب بھی ملا۔ برہمن چونکہ دارا کا ہوا خواہ تھا۔ جب عالمگیر تخت نشین ہوا تو "شنیدم پیر معصیان و چشم آن دارم — که جرم ما بجوانان پارسا بخشند"۔ لکھکر اپنی معذرت چاہی اور یہ رباعی پیش کی:

شاها عالم مطیع فرمان تو باد — لبریز شکر ادای شکر احسان تو باد

چون ذات تو خلق را نگهبان آمد — هر جا باشی خدا نگهبان تو باد — عالمگیر نے اسے معتوب گردانا

مگر ان منصور لیا۔ اسکے رقعات کا مجموعہ "منشیات برہمن" کے نام سے مشہور ہے۔ گلدستہ، تحفۃ الانوار، کارنامہ، تحفۃ الفصحا، مجمع الفقرا، اور تحفۃ الوداد اسکی تصانیف ہیں ___ کہتے ہیں دارا کو اسکا ایک شعر بہت پسند تھا۔ جو اسنے ایک بار شاہجہاں کے سامنے بھی پڑھوایا۔ شاہجہاں برافروختہ ہوا۔ وہ شعر یہ تھا۔

مرا دلیست بکفر آشنا که چندین بار — بکعبه بردم و بازش برهمن آوردم

سا سمجھا۔ کا نمونہ افضل خان نے سعدی کا یہ شعر پڑھ کر فرو کیا۔ کہ "خو علیٰ اگر ملک روم + چون بیاید بسوز خوبانش"

کلام کا نمونہ:۔ گلم ز سادہ دلی بنید دیدہ ترگان را ۔ بہشت خس نتوان بست راہ طوفان را

جگر فشان شدہ لم باز جای آن دارد ۔ کہ لالہ زار کنم دامن و گریبان را

ہمیشہ زلف ترا اضطراب در کار است ۔ چگونہ جمع کند خاطر پریشان را

شبِ خیال تو آمد بخواب و آسودیم ۔ دگر ز ہم نگشادیم چشم گریان را

برہمن از سخن بی دلیل میخواہم ۔ کہ اعتبار نباشد دلیل و برہان را

شہزادہ دارا شکوہ:

علمی لحاظ سے تیموری شہزادوں کا گل سرسبد دارا شکوہ تھا۔ وہ ایک باکمال مصنف، شاعر، خطاط اور جوہری تھا۔ شروع میں نہایت پاکیزہ خیالات کا متشرع اور متصوف شہزادہ تھا۔ آگے جا کر ہندو مذہب سے زیادہ شغف ہو گیا۔ یہ الگ معاملہ ہے۔ اسکی تصانیف یہ ہیں۔

(۱) سفینۃ الاولیا۔ یہ اسکی پہلی تصنیف ہے۔ سنہ ۱۰۴۹ میں جبکہ وہ پچیس سال کا تھا۔ لکھی۔ کتاب شروع میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کچھ ذکر مبارک ہے پھر خلفاء راشدین، حسنین اور ائمہ اہلبیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات ہیں اسکے بعد اولیاء اللہ کے حالات ہیں۔ ضمنی قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، کبرویہ اور سہروردیہ سلاسل کا ذکر خاص طور پر ہے۔ ایک باب میں مختلف سلسلوں کے صوفیائے کرام کے حالات ہیں۔ آخر میں ازواج مطہرات و بنات طاہرات نبوی کا بعد ان خواتین کا ذکر ہے جنہوں نے راہ سلوک میں کمال حاصل کیا۔ اس کتاب میں اولیاء اللہ کی تواریخ ولادت و وفات کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ (۲) سکینۃ الاولیاء۔ سنہ ۱۰۵۲ میں لکھی گئی۔ اسمیں اپنے مرشد پیر لسان اللہ ملا شاہ قدر بادشاہی اور پیر مرشد میاں میر (ملا جیو) کے حالات و ملفوظات و کرامات، خاندان و خلفاء کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

(۳) رسالہ حق نما، (۴) حسنات العارفین "یا شطحیات"۔ جو تکفیر کے فتاوی اس پر لگے تھے۔ ان سے بچنے کیلئے یہ کتاب لکھی گئی۔

(۵) مجمع البحرین ـ یہ کتاب دارا نے اپنی عمر کے ۲۸ ویں سال میں لکھی اسمیں اسلام اور ہندو مذہب کو ایک ہی سمندر کی

شکل دکھایا گیا ہے ـ اور ان دونوں کی ملاپ کی کوشش کی ہے ـ یہ بھی بتایا ہے ـ کہ اسلامی تصوف اور

فلسفہ ویدانت میں لفظی اختلاف کے سوا کوئی اور فرق نہیں۔ تو جیسے شیدائی ان دونوں میں سے جسکی بھی تقلید کریں

حقانیت کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں ـــ اسی کتاب پر دارا پر مرتد اور ملحد کا فتویٰ لگایا گیا ـ

(۶) دارا کا دیوان نایاب تھا ـ اب پتا چلا ہے ـ کہ خان بہادر ظفر الحسن صاحب (محکمہ آثار قدیمہ) کو اسکے دیوان کا ایک نسخہ مل گیا ہے

ملا ہے ـ جسمیں ۱۲۳ غزلیں اور ۳۸ رباعیات ہیں ـ اور یہ نسخہ دارا کی زندگی ہی میں لکھا گیا ہے ـ قادری تخلص کرتا تھا

نمونہ :-

ہر خم و پیچے کہ شد از تار زلف یار شد — دام شد، زنجیر شد، تسبیح شد، زنار شد

خاطر نقاش در تصویر حسنش جمع بود — چوں بزلف او رسید آشفتہ برکارش کشید

بشکست دل آبلہ از گردش پایم — در کار من این ہم گرہے بود کہ وا شد

بقدر مال باشد سرگرانی — ز وزن زر فزاید بار دستار

بخیہ بر خرقۂ فنا کیشاں — موج آب حیات را ماند

ہمہ چیز تو خوب لیک ایں بد — کہ تو بسیار دیر مے آئی

تا دوست رسیدیم چو از خویش گذشتیم — از خویش گذشتن چہ مبارک سفرے بود

رباعی :-

معروف شدم تا بعرفاں گشتم — عارف شدم و ز خویش عریاں گشتم

پیدا کردی مرا و لیکن من ہم — پیدا کردم ترا و قرباں گشتم

عارف دل و جان تو مزین سازد — خارے کہ بود بیاباں گلشن سازد

کامل ہمہ را ز نقص بیروں آرد — یک شمع ہزار شمع روشن سازد

حسنات العارفین میں اسکی رباعی بدیں مضمون کہ ذاکر کی مذکور سے غفلت عوام کی غفلت سے مختلف ہے

خوش گرچه نباید خود نشستن همه وقت ایں قید چه لازم است بر من همه وقت
غافل شدن حق ز حق از حق نیست خود را طلب است یاد کردن همه وقت

(یا توحید کی حقیقت خود توحید کی حرام ذوقی کا)
توحید خموشی است مکر است مدام یک آمده شد ز دست توحید تمام
یک گفتن تو ببیں قوی ثابت کرد توحید رود ز نقطه چوں گیری نام

(حضرت عبد اللہ بن خفیف کا یہ فرمانا کہ "غفلت را ہم وجود اللہ دانستن معروف است")
هر چند که خلق را گرفته کولی غفلت مده است به همه مشغولی
مشغول بحق است بفهمد یا نه هر کس که به هر چیز کند مشغولی
جو شخص خدا کے ساتھ مشغول ہے اسکے لئے ایمان کا سوال باقی نہیں رہتا ہے۔

کافر گفتی تو از پئے آزارم ایں حرف ترا دانست نمی پندارم
پستی و بلندی همه شد همواره نی مذہب عشق را دو ملت دارم

عارف بخدا اطلاق خدائی نکند وز ذات لطیف خود جدائی نکند
گر بنده کسی بخود خدا او باشد چوں جمله خداست خودنمائی نکند

خواہی که شوی داخل ارباب نظر از قال بحال بایدت کرد گذر
از گفتن توحید موحد نشوی شیریں نشود دہاں ز نام شکر

هر دم برسد بعارفاں ذوق جدید خود مجتهد اند نی ز اہل تقلید
شیراں نخورند جز شکار خود را روباه خورد فتاده لحم قدید

توحید شناخت هر کرا حالی نیست در راه طلب همت او عالی نیست
خوش آنکه میان خویش حق را بشناخت او در همه جاست هیچ جا خالی نیست

کے کار تو در شمار حق می آید فعلی تو در اعتبار حق می آید
باید که تو عین ذات حق را [illegible] چو کار حق می آید

بارۂ نثر - در هر عارف اطلاقِ مردن جائز نبود - چه جان بجانان پیوست آب شد و خاک بخاک هوا با هوا آتش با آتش -

بیرون درون کوزه پُر بود هوا | پیچید درون کوزه آواز و صدا
کوزه بشکست و گشت آواز آواز | بشکست حباب گشت عینِ دریا

هستی وجود خلق شد کم زد | گردید مساوی همه خلک بید
اکنون نتوان نام خود را هیچ برد | گر نام بگیریم ز من او هم رنجد
یک ذره ندیدیم ز خورشید سوا | هر قطرهٔ آب هست عینِ دریا
حق را بچه نام کسی تواند خواندن | هر نام که هست هست از اسمائے خدا

دارا شاہ دلربا کی ابتدائی عمر میں لکھتا ہے - کہ اسکے دل سے اسلام مجازی محو ہو گیا ہے اور اب کفرِ حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے اور اس کو حقیقی کی قدر معلوم کرنے لگی ہے وہ زنار پوش، بت پرست بلکہ خود پرست اور دیر نشین ہو گیا ہے - اور اسکے نے کسی چیز کی اقرار و انکار کا سوال باقی نہیں رہا ہے!

مسلمان گر بدانستی که بت چیست | بدانستی که دین در بت پرستی است
ز اسلامِ مجازی گشت بیزار | مرا کفرِ حقیقی شد پدیدار
درونِ هر بتی جانیست پنهان | بزیرِ کفر ایمانیست پنهان
بترسا زاده دادم دل بسنگ یار | مجرد گشتم از اقرار و انکار

رقعات عالمگیر رتبہ سید نجیب اشرف ندوی

ولی - ہندی داسی نام ولی تخلص - دارا کے منشیوں میں سے تھا - ملا شاہ بدخشی کی صحبت کے اثر سے تارک دنیا ہو گیا اور دارا ملتا ہے! —

بشنو ز ولی و فانی دنیا ای شاہ | مغرور مشو بدولت و حشمت و جاه
هر چند چو دُر بهی نماید لیکن | آن قطرهٔ شبنم است بر برگ گیاه

سپہر شکوہ - دارا شکوہ کا لڑکا تھا اسکا شعر ہے جو دارا کے قتل کے بعد اسنے کہا تھا —

هر چند دارا بر دل بی کند آن شکوه بیست | هر گاه کرده بود و کسی بود...

داراشکوہ کیطرح شاہجہاں کے دوسرے لڑکے شجاع و مراد بھی علم دوست، فضلا پرور اور سخن شناس تھے۔

شجاع کا درباری شاعر شیخ منعم لاہوری اور مشہدی شاعروں میں جنیاتی سنسکرت کا مشہور عالم تھا۔

شاہزادہ مراد کا سب سے محبوب شاعر سعید قریشی تھا۔ جو ملتان کا باشندہ تھا۔

اوائل ملازمت میں سعید ایک روز مراد کے ہاں جانا چاہتا تھا۔ دارغہ نے غلام نے جسکو "دریکے از چیلہ ہا بود" کہا گیا ہے۔ اندر نہ چھوڑا۔ سعید نے یہ رباعی لکھکر اندر بھیجدی!—

ای شاہ جنابت چو جناب اللہ است + ہر حکم تو چون کلام اللہ است + این چیلۂ دیو فعل مناع درست + ابلیس صفت مانع باب اللہ است

مراد نے سعید کو زمانہ جانے کے علاوہ ہر جگہ آنے جانے کی اجازت دیدی۔ ایک بار عید کے موقعہ پر مراد اپنے ہاتھ سے بکرا ذبح کر رہا تھا۔ مراد نے بکرے کی آنکھیں دیکھکر سعید کی طرف دیکھا۔ سعید نے بدیہہ یہ شعر پڑھا!—

عید قربان است و میخواہم کہ قربانت شوم ہمچو چشم گوسفند کشتہ حیرانت شوم

اسی طرح ایک عید الفطر کے موقعہ پر مراد عیدگاہ کو جا رہا تھا۔ سعید آیا۔ مراد نے پوچھا تہنیت عید میں کچھ لکھا ہو کہ نہیں؟ سعید نے کہا ہاں۔ حالانکہ اس نے کچھ نہیں لکھا تھا۔ جتنی دیر مراد نے نماز عید پڑھی، سعید نے ایک غزل تیار کی۔ اور نماز کے بعد پیش کی۔ شہزادہ شراب کا دلدادہ تھا۔ ایک سطحی اسکی [illegible]

روز عید است ولب خشک نہ آلودہ کنید ۔ چارۂ کار خود ای تشنہ لباں زود کنید
دیر گاہیست کہ از دیر مغاں دور شدیم ۔ زود با شیشہ بکف جام زر اندود کنید
شربت حب نبات لب جانبخش ایاز ۔ نوش داروی دل خستۂ محمود کنید
حرف بیہودۂ واعظ نتواں کرد بگوش ۔ گوش پر زمزمۂ چنگ و نی و عود کنید
نیست بیہودہ شناسندگی شاہ مراد ۔ بہتر آں است کہ اندیشۂ بہبود کنید
شیوۂ صدق چو سرمایۂ ہر سود بود ۔ ہست امید کزیں شیوہ بسی سود کنید
بدوش یافتہ ام از طالع مسعود سعید ۔ سعی در یافتن طالع مسعود کنید

مراد کی رندی اور اسکے دربار کی رنگینیوں کی خبر شاہجہاں کو ہوئی۔ تو اسنے اپنے ہوشمند امیر علی نقی کو مراد کی نگرانی کے لیے بھیجا۔ علی نقی، سعید قولی کو ناپسند کرنے لگا۔ سعید کو اب اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ چنانچہ مراد سے چھٹی لیے بغیر اسکے اطراف گجرات سے بھاگ نکلا۔ مراد نے دو کوس اسکے لیئے قاصد دوڑائے۔ مگر نہ آیا۔ مرحوم نے یہ غزل لکھکر بھیجی:-

مشکل بود بکوی تو دیگر نشست ما — پیچیده است زلف تو بر هر شکست ما
چون سبزه در ره تو بجز پا فتادگی — ای سرو من بگو که چه آید ز دست ما
دردم که با رقیب تو خاطرنشان کند — جز تیر بی خطا که برآید ز شست ما
دل بسته در خیال میان چون بند زلف — سد سکندری شده این بند و بست ما
فارغ ز دین و کفر شده بعد ازین سعید — ما و سر نیاز و بت خود پرست ما

عالمگیر اورنگزیب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت اورنگزیب (رحمۃ اللہ علیہ) کے حالات و واقعات زبان زد خلائق ہیں وہ سنہ ۱۰۲۷ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و
تربیت میں جہاں انہوں نے کمال حاصل کیا وہاں امور مملکت، سیاست وغیرہ میں بھی سب سے ممتاز قرار دئے گئے۔ ان
کی تعلیم و تربیت باکمال اساتذہ کی نگرانی میں ہوئی۔ مثلاً مولانا عبداللطیف سلطانپوری، مولانا ہاشم گیلانی۔

ملا جی سعداللہ، ملا محی الدین بہاری المعروف بہ ملا موہن، مولانا سید محمد قنوجی، ملا شیخ احمد المعروف ملا جیون
شیخ عبدالقوی اور دانشمند خان۔ سلطنت پر قبضہ پانے کے بعد بھی بعض اہم کتابیں اساتذہ سے برابر پڑھتا
رہا۔ اور اسیطرح قرآن مجید بھی حفظ کیا۔ "سَنُقرِئُکَ فَلاَ تنسیٰ" سے شروع حفظ کی تاریخ سنہ ۱۰۷۱
اور "لوحِ محفوظ" سے ختم حفظ کی تاریخ ۱۰۷۲ھ نکلتی ہے۔ علم دوست، علماء و فضلاء پرور اور شعر فہم و
نکتہ رس تھا۔ مگر مدح و ستائش سے محض تنفر و بیزاری کی حد تک نفرت تھی۔ چنانچہ ملا سعداللہ ساداں کے
ذکر میں یہ لکھا گیا۔ کہ انہ اسکی مدح میں قصیدہ پڑھا۔ تو صلہ دیا اور ساتھ ہی آئندہ ایسا کرنے کی ممانعت کی۔
انکے علمی کمال و تبحر پر "فتاوای عالمگیری" کی تدوین وغیرہ کی کوشش اور اسکے لئے موزوں علماء کا انتخاب ایک بین دلیل ہے۔
فقراء و علماء باعمل اور صوفیائے کرام کے صحبت کے دلدادہ تھے۔ نہایت عقیدت، احترام اور عزت سے انکی مجلس آراستہ
سعدی، حافظ، نظامی، نظیری، صائب، ملا شاہ اور فانی کشمیری کے دواوین۔ وہ خاص طور پڑھا کرتے تھے۔
بخشی الممالک مخلص خان نے ایک بار دیوان صائب پیش کیا۔ جسمیں ایک لاکھ ابیات تھے۔ عالمگیر کو صائب کے اپنے
اشعار بہت پسند تھے۔ جو معرفت و تصوف میں ڈوبے تھے۔ اور اس دیوان کو محبوب رکھنے لگا۔ اسکی یہ عادت
ایک مدت تک اپنی محفل میں پڑھوا کر سنا کرتا تھا۔

خم چو گردید قد انداخته ے باید رفت ‌‌ ‌ پل برای آب چو شد ساخته ے باید رفت
هر چه در کار بود ساختنش خود سازی ‌ ‌ گر نشد کار جهان ساخته ے باید رفت
این سفر هیچ سفرهای دگر صائب نیست ‌ ‌ رخت هستی ز خود انداخته ے باید رفت

جو شعر پسند آتا بیاض میں لکھتا یا لکھواتا ۔ دہلی کی رباعی لبنداتی اور شاہزادہ کام بخش کی بیاض میں لکھوا ہے

آتش بدو دست خویش در خرمن خویش　　من خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش

کس دشمن من نیست منم دشمن خویش　　ای وای من و دست من و دامن خویش

لبند مرگ میر یہ شعر اسکی زبان پر تھا :- یک لحظہ، یک ساعت یکدم + دگرگون میشود احوال عالم

چنانچہ ایک شعر اسکی طرف بھی منسوب ہے ۔ جو بہت چلتا ہے ۔ کہ خود ہی تو طبع موزوں رکھتا تھا :-

غم عالم فراوان است و من یک غنچہ دل دارم　　چسان در شیشہ ساعت کنم ریگ بیابان را

۱۱۲۸ھ میں وفات پائی ۔ (اول روز جمعہ بیست و ہشتم ذی قعدہ ۔ دخل الجنۃ) اور روح و ریحان و جنۃ النعیم

تاریخیں ہیں ۔ دربار کے مستوسلین شعرا کچھ کم نہ تھے ۔ چونکہ مداحی و خوشامد گوئی بند تھی ۔ لہذا ایسے شعرا کا وہ رنگ

نہ جم سکا جو پہلے درباروں میں ہوا کرتا تھا ۔ تاہم کچھ نامور شعرا یہ ہیں :-

نعمت خان عالی　میرزا محمد علی نام، عالی تخلص، حکیم فتح الدین شیرازی کا لڑکا تھا ۔ ہندوستان ہی میں پیدا ہوا ۔ مگر

صغر سنی میں باپ کے ساتھ شیراز گیا ۔ وہیں تعلیم پائی ۔ ہندوستان آیا تو ملا شفیعائے یزدی سے بھی زانوئے تلمذ تہ کیا ۔

پہلے خانساماں کی بیشہ طبابت کرنے لگا ۔ اور عالمگیر نے اپنا ملازم رکھا ۔ فتح حیدرآباد پر تاریخ لکھی اور اورنگ زیب نے خلعت و انعام دیا ۔

از نصرت بادشاہ غازی　　گردید دل جہانیاں شاد

اہل قلم حساب تاریخ　　شد فتح بجنگ حیدرآباد　　۱۰۹۷

داروغہ باورچی خانہ بنکر نعمت خاں کا خطاب ملا ۔ پھر جواہر خانہ دیگر دولت کا داروغہ اور "مقرب خاں" بنایا ۔ شاہ عالم کے

زمانہ میں "دانشمند خاں" بنا ۔ بے حد شوخ و بیباک حاضر جواب، اور لطیفہ گو تھا ۔ چنانچہ عالمگیر کی ہجو بلیغ بھی لکھی ہے ۔

عاقل خان رازی　میر عسکری نام خوافی کا بیٹے والد تھا ۔ شاہجہانی عہد میں ہندوستان آیا شہزادہ اورنگ زیب کے

ساتھ دکن کا ضلع دار مقرر ہوا ۔ ایام شاہزادگی میں اورنگ زیب کی "یکے از پرستاران" کا انتقال ہوا ۔ اس نے اورنگ زیب

[illegible]

روز دو تازہ بتازہ نو بنو" گاتے سنکر محظوظ ہوا کرتا تھا - اسکے مرنے پر وہ سخت ملول و غمگین ہوا - غم غلط کرنے کیلئے دو کر روز

شکار کو چلا گیا - میر عسکری بھی ساتھ تھا اور یہ جہاں غم و اندوہ میں شکار کھیلنے گیا یعنی اورنگزیب پر کچھ شعر تھا

نالہائے خانگی دل را تسلی بخش نیست — در بیابان میتوان فریاد خاطر خواہ کرد — میر عسکری نے برجستہ

عشق چو آسان نمود آہ چہ دشوار بود   ہجر چہ دشوار بود یار چہ آسان گرفت

یہ سنکر اورنگزیب پر رقت طاری ہوئی اور بار بار پڑھنے لگا - دارا سے لڑنے کو روانہ ہونے پر اورنگزیب نے

اپنا عیال دولت آباد کے قلعہ میں رکھا - اور میر عسکری شہر کا نگہبان بنایا - اور پھر بہت سی معتمد امیر تھا۔

میر عسکری حضرت برہان الدین رازی کا مرید تھا - اسی واسطے رازی تخلص کرتا تھا — اسکی تصانیف

ظفر نامہ عالمگیری، ایک دیوان، رقعہ تصنیف رازی جو مثنوی روم کے طرز پر ایک مثنوی، چند دیگر مثنویاں نغمات العشق

شمع و پروانہ، اور مہر و ماہ، ہیں اسکے علاوہ اپنے مرشد کی ایک تصنیف "ثمرات الحیوٰۃ" کو مرتب کر دیا - نمونہ کلام سے

خشک کنم ز سوز دل دیدۂ اشکبار را   چند در آب افکنم آئینۂ نگار را

منتظران یار را جلوۂ ہر صور نکوست   سرمہ بود غبار رہ دیدۂ انتظار را

قبلۂ مست میکند خانۂ میفروش را   آنکہ بکعبہ میبرد سالک ہوشیار را

پائے طلب براہ نہ شرط ادب نگاہدار   چونکہ تو کردی اختیار تہمت اختیار را

چند غم جہان خوری دل چو نہی برین چمن   باد خزان چو در پے است جلوۂ این بہار را

بست گرہ ز خون دل نافۂ آہوی یمن   یا بکشا دان فزال طرۂ مشکبار را

ساقی مست را زیاد ساغر بیہشی دہد   ای کہ اگر نہ جرعہ بسکہ کشی خمار را

ملا سعید اشرف، مازندرانی، ملا محمد صالح کا فرزند - اور ملا محمد تقی مجلسی کا نواسہ تھا - بیبی زیب النساء کا اتالیق مقرر ہوا۔

سنہ ۱۰۹۳ میں اصفہان جاکر پھر دہلی آیا - تو شہزادہ عظیم الشان بن شاہ عالم کے ساتھ عظیم آباد میں رہا - اور شہزادہ اسکی بہت محمود رکھتا تھا

جب پہلے اصفہان جانے لگے اسنے اسے رخصت چاہی تو درخواست نظم میں پیش کی جسکے یہ شعر یہ ہیں: —

یکبار از وصل منوال برگرفت دل — در غربتم اگرچه فزون است اعتبار

پیش تو خوب نبود تفاوت میکنه — گر خدمت حضور نباشد مرا شعار

نسبت چو باطنی است چه دهلی چه اصفهان — دل پیش تست تن چه بکابل چه قندهار

اسی طرح زیب النساء کی بیاض جب ایک کنیز کے ہاتھ سے پانی میں گر گئی تو کنیز کیطرف سے ایک فی البدیہ منظوم

پیش کیا۔ جسکے چند اشعار یہ ہیں:—

ای ادیب‌ها که پیشت فاضلان عصر را — شستن مجموعهٔ اندیشه تا آب افتاده است

در حرم افلاطون ز یاد داشتت سرخوش بجو — همچو مخموری که در فکر شراب افتاده است

ذهن صاف تا علم گردید در دانشوری — جمع افلاطون ز لبس در اضطراب افتاده است

دفتر فرهنگ در دستش مجزا گشته است — از کفش مجموعهٔ دانش در آب افتاده است

آن بیاض خامهٔ شاهی که در اطراف آن — جای افشان نقطه‌های انتخاب افتاده است

آن مرصع خوان گیرنده‌ای که باشد حلقه گرد — دُر الفاظش لب با آب و تاب افتاده است

نخل کا نمونہ:— بد نیفا چون در آید آدمی بد بخت میگردد — هوا چون در میان مشک آید سخت میگردد

ساقیا ساغر بگردش از ملکین واگذار — کشتی دریاکشان را لنگری در کار نیست

گشت مستغنی ز وصل اشرف بیاد عارضش — همچو آن حافظ که مصحف را تمام از بر نوشت

در جوانی روشن حالت پیری دارم — چون گل زرد بهارم بخزان می ماند

رفته رفته آبرو را بر طرف سازد غضب — آب را چندانکه جوشانند کمتر میشود

روشن ضمیر — ایران کا مشہور شاعر تھا۔ ہندوستان آیا۔ عالمگیر نے منصب دار بنایا۔ اورنگ آباد میں بیجاپور سے لڑا تھا۔ تو اپنی تاریخ الملک سے کہا

۱۰۶۹

ای حوز تو سورۂ تبارک بادا + پیوسته ترا تاج تبارک بادا + جستم ز پی سگون فتحت تاریخ + دل گفت "شود فتح مبارک بادا"

عالمگیر نے خوش ہو کر پانچ ہزار روپیہ انعام دیئے۔ ابراہیم عالمگیر کے ملازم نے ہر رباعی کی ۔ ساٹھ ہزار روپیہ انعام ۱۲

محی الدینی و مصطفیٰ حافظ تو + صاحب سیفی و رکنی حافظ تو + تو حامی شرع و حامئی شارع + تو حافظ قرآن و خدا حافظ تو

بڑا ذہین تھا۔ مثنوی کا بھی سلیقہ اور اسمیں بھی شعر لکھکر سعدی عروج آگے بڑھا۔

رفیع خان باذل۔ کا خاندان ترکمانی عہد میں ہندوستان آیا۔ اسکا چچا محمد طاہر وزیر خان عالمگیر کے زمانہ میں صوبیدار رہا۔

باذل بڑا قادر الکلام شاعر تھا۔ شاہنامہ فردوسی کی تتبع میں غزوات نبوی کی ایک مثنوی "حملہ حیدری" لکھی جسمیں چالیس ہزار یا بروایت دیگر نوے ہزار اشعار تھے — التفات خان لقب۔ طاہر میرزا محمد طاہر نام اصفہان وطن صوبیدار رہا۔

نظم کے علاوہ نثر میں بڑا مشاق تھا۔ ایک وقت میں کاتبوں کو مختلف عبارتیں لکھواتا اور ربط کلام برابر قائم رہتا اور خود مختلف کتابت کرتا تھا

کلام کا نمونہ:-
مکن گویا بحرف مدعا یارب زبانم را — به بند از موی چینی تار فانوس فغانم را

شہید میکنم بہ تیغ لعل لب از غضب تو خود — برنگ مہرہ فیروزہ نیلی در غزل خود

شہد شب چنین نوشته از گشتۂ دیدار تو — از نسیم بال بلبل بشگفد گلزار تو

صاحب حکیم محمد کاظم۔ عالمگیر کے خاص طبیبوں میں سے تھا۔ منصب پایا۔ "آئینہ خانہ" "پری خانہ" "ملا حجۃ احمدی" "صحایف موسیقی" "کمال محمدی" مثنویاں لکھیں۔ کلیات مرتب کی "الخاص ستمی" نام رکھا جسکی قرآن کی طرح رحل پر رکھ کر مطالعہ کیا کرتا تھا۔ اور خود پرستی و خود ستائی میں خود ہی "مسیح الیمان" کا خطاب اختیار کر لیا۔ مگر معاصرین کی نظروں میں وہ اس غرور و خود پرستی کا مستحق نہ تھا

دو رباعیاں یہ ہیں:- بر لالہ خط کشیدگان سنبل موست — گل را بگلاب شست کس صفحۂ روست

عالم ہمہ اوست لیک نتوان گفتن — شہ را بسر انگشت نمودن نہ نکوست

مارا بجدای خویشتن راہے ہست — در ظلمت تن نور شہنشاہے ہست

چشمک زدن ستارہ بے چیزے نیست — در پردۂ عنبرین شب ماہے ہست

غلام علی تحسین۔ عالمگیر کے دربار سے وابستہ ہو کر اسکے لڑکے شہزادہ معظم کا ندیم خاص رہا۔ ۱۱۹۹ھ میں شہزادہ لاہور جانا چاہتا تھا۔ راستہ میں اسکو مانع شر شروئی سے گفتگو کی جسکو وہ برداشت نہ کر سکا اور راستہ ہی میں کابل بھیج دیا گیا۔ رنگ کلام یہ ہے

زمانہ چہرہ زلیس نرم شد دل کہسار — دل کسود رگ سنگ را بہ نشتر خار

خندد از یادِ لبش چون گنبد مینای من — آبِ حیوان ریزد از ہر قطرۂ صہبای من

مست بیباکم من و یارم بدوش دیگر است — گردن میناست خم از بار عصیانہای من

در خاک فرو برده خیال لب یارم — یاقوت برآید چو کنی سنگ جدا ازم

عبد الباقی صہبائی شاہی ملازموں میں سے تھا - خط نستعلیق کا ماہر تھا - نمونۂ کلام :-

لب فرو بستم از مستی و مدہوشی نیست — سخنی نیست که شرمندهٔ خاموشی نیست

ز دست سرکشی شانه سینه چاک شوم — که کاکل تو در آغوش مو بمو گردد

مرزا محمد علی ماہر - اکبر آبادی - اپنے عہد کے اساتذۂ فن میں شمار کئے جاتے ہیں - کلیم و قدسی، میر الہی وغیرہم کی صحبت سے استفادہ کیا دانشمند خان (شفیعائے یزدی) کا بھی ہم جلیس رہا - دارا شکوہ سے مرید خان کا خطاب پایا - عالمگیر کی مدح میں ملا ظہوری کی تتبع میں رسالہ "گل اورنگ" لکھا - ضعیفی میں قناعت لی - ترک دنیا کر لیا - محمد افضل سرخوش مؤلف کلمات الشعرا اسکا محبوب اور لائق شاگرد ہے - جس نے اسکا دیوان مرتب کیا - تحفۃ العراقین کی بحر میں ایک مثنوی جامع نسخہائے لکھی - سرخوش نے اسکے جو اشعار منتخب کئے ہیں :- چشم جگی نہ دیدن رویت ہوس کند + نظارہ بر چراغ تو کارِ نفس کند

شکند معشوق از پہلوی عاشق دلبری — از پر خود شمع را پروانہ میسازد پری

تا بمال گر دیده‌ام خود سند عالم از من است — در قناعت خود از یکدانہ صاحب خرمن است

بسکه در ہجر تو چون نال قلم کاہیده‌ام — از تنم صد پیرہن بالیده تر پیراہن است

دو بار سوز داران و فغان بلند کشد — چو دود آتشه در سوختن سپند کشد

محمد افضل سرخوش - ۱۰۵۰ھ میں کشمیر میں پیدا ہوا - اسکا باپ محمد زاہد شاہجہانی امیر عبد اللہ خان زخمی کا ملازم تھا - سرخوش بھی اسکا ملازم رہا - اسکی وفات کے بعد وہ بخشی الممالک روح اللہ خان کی وساطت سے عالمگیر کے دربار سے وابستہ ہوا - اور منصب پایا - آخر میں شاہجہان آباد میں دو تہائی اور عزلت نشینی کی زندگی بسر کرکے ۷۶ سال کی عمر میں ۱۱۲۶ھ میں وفات پائی - مرزا محمد علی ماہر - منعم خان سرافراز

میر معز موسوی خان سے فیض حاصل کیا - ماہر اسکی شاگردی پر فخر کرتا تھا - ... جو شعرا کی مانند تھا

غنی کشمیری۔ ناصر علی سرہندی اور سرخوش ۔ سرخوش نے اپنا دیوان خود مرتب کیا تھا جسمیں چھ ہزار اشعار تھے۔ اسکے علاوہ متعدد مثنویاں ہیں! نور کے نور، حسن و عشق، قضا و قدر، مثنوی در بعض خصوصیات ہندوستان ۔ جنگنامہ محمد اعظم ۔ تعریف حسینی نامہ ۔ جامی کی لوائح کی شرح میں روائح ۔ نثر میں ایک کتاب جوش و خروش ۔ مگر سب سے اہم تصنیف اسکی ۔ کلمات الشعراء ہے جسمیں جہانگیر سے لیکر عالمگیر کے عہد تک کے شعراء سے متعلق بہت مفید اور دلچسپ معلومات ہیں ۔ اور اُس زمانہ کے مذاق کے مطابق انکی شاعری پر تنقید و تبصرہ بھی ہے ۔ کلام کا رنگ!

ہوشیاری را حجاب یار میدانیم ما | بیخودی را بزم بے اغیار میدانیم ما

تیز مسازید بقتل عاشقان شمشیر را | این قدر ہم رحم از و بسیار میدانیم ما

قطرۂ بر گل شبنم زدہ افتاد چرا | آمد از زخم نمکسود جگر یاد مرا

چشم شوخ کردی تیرہ روز لالہ و گل را | بخاک سرمہ گشتی شعلۂ آوازِ بلبل را

غنچہ ترسم براہ یار نسیم شگفتہ | برگ گل در زیر بالش کم ز لخت شیشہ نیست

خواہی کہ قدم براہ حق بگذاری | باید کہ بکف دامن پیرے آری

بے آئینہ سینہ در مگرد ہرگز | یکسر اگر در اقبالش داری

از بادہ مرا فزون شد عقل و شعور | بی غم خضر رہ لطافت و سرور ×

بے روشنی طبع طبعی سرخوش را | روغن ہمہ در چراغ گردد نور ؟ ×

ایک رباعی میں لیا تھا ۔ نقل

عالمگیری دور اور شعراء کے نام یہ ہیں: غنی کشمیری، ناصر علی سرہندی، عبد الرسول ۔ الیسر لاہوری ۔ آصف عمر افسری، اعجاز اکبرآبادی، جعفر نبیرۂ آصف خان، سیادت لاہوری، ضیاء الدین خیرآبادی، عارف لاہوری، سید کبیر علوی، ملا سعد اللہ غریب، عبد الوہاب غنایتی، فیضا، عبد اللطیف قیصر، گوہر بیگ کامل، منیر لاہوری،

(185) شیخ نورالحق مشرقی، نسبتی، عبد الاحد وحدت، وغیرہم ۔

عالمگیری امراء میں سے جن کی طبع آزما یہ ہیں ۔!

محمد اسمٰعیل ذوالفقار خاں ۔ نصرت جنگ ، عالمگیر کے لغوی وزیر اعظم اسد خاں آصف الدولہ کا لڑکا تھا ۔ اسکا نانا آصف خاں ممتاز الدولہ تھا

حربی و ملکی خدمات کے صلہ میں نصرت جنگ ، ذوالفقار خاں کے خطابات پائے ۔ شاعر بھی تھا شاعروں کا سرپرست بھی جہاندار شاہ کے عہد میں ھی

نامور تھا ۔ ناصر علی نے اسکی مدح میں یوں کہا ہے ۔ "ای شان حیدری ز جبین تو آشکار + نام تو در نبرد کند کار ذوالفقار

تو خوش ہو کر اسے ایک ہاتھی اور ایک اشرفی کا تھال انعام میں دیا ۔ جب ناصر علی وہیں پر تقسیم کر کے گھر خالی ہاتھ چلے گئے ۔

کرناٹک پر فوج کشی کے موقع پر وہ حضرت شاہ حمید سے ملے ۔ انکا گرویدہ ہو گیا اسکی مدح میں کہتا ہے :-

اینک اینک ساقی شیریں رسید + نوبت جام حمید الدین رسید + حلقۂ درگاہ ہیچون جام او + از زمین تا آسمان دو دام او

جام او خورشید ربانی بود + انجمن افروز سبحانی بود + گر جمال او براندازد نقاب + روزن هر خانه گردد آفتاب ۔

در جلالش بر کشد تیغ از نیام + هیر او باقی نماند والسلام + ---- الہ وردی خاں جعفر ۔ خوش ادائی اور لطافت

مشاعرے پائے ۔ اپنا دیوان بھی مرتب کیا ۔ انکا شعر ہے :- کمتر ز عاشقی نتوان بود در طلب + صد تیشه میخورد که بیاید لب طلب

منعم خاں ۔ منعم ۔ اکبرآباد کے کوتوال سلطان الدین کا لڑکا تھا ۔ حضرت شیخ کلیم اللہ سے تعلیم پائی عالمگیر کے عہد میں جموں کا فوجدار

بہادر شاہ کے عہد میں ترقی کر کے سپہ سالار مقرر ہوا اور خانی کا خطاب پایا ۔ شعر خوب کہتا تھا نمونہ ہے :

بلبل از نالۂ گل از خون دل ایجاد کنم + عالم تازه ز بنیاد دگر آباد کنم + رفت مجنون و خرابی بیابان جنون + گرد باد دگر از خاک خود ایجاد کنم

پھر شیخ محمدی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی ۔ جس سے اسکی شاعری میں تصوف کی سرمستیاں بھی آگئیں ۔ ایک رسالہ الہامات منعمی تصوف میں لکھا

میر ضیاء الدین حسین بدخشی ، اسلام خاں ، والا ۔ عالمگیر کی شہزادگی کے زمانہ میں اسکے ساتھ رہا ۔ جنگ جانشینی میں اچھے خدمات

انجام دئے اور اچھے عہدے پائے ۔ وہ چھ سال حضور میں کشمیر کا اور چھ سال میں الہ آباد کا صوبیدار مقرر ہوا ۔ اور ایسے ہی دکھنا گئے

("مرده اسلام خان والا جاه" ۱۰۷۹ غنی نے تاریخ لکھی) اعلیٰ ہے

بے تو شام غم بر در دل شبخون میزنند + مردم چشمم ز گریه غوطه در خون میزنند + وسعتی پیدا کن ای صحرا که امشب در غمش + لشکر آه من از دل خیمه بیرون میزنند

ہمت خاں ، میر عیسیٰ ۔ اسلام خاں مذکور کا لڑکا تھا ۔ بچپن ہی میں عالمگیر نے اسکی تربیت کی ۔ بڑے عہدے پائے ۔ جامع فضل و کمال تھا

فارسی علاوہ ہندی میں بھی شعر کہتا تھا ۔ جسمیں "میرن" تخلص کرتا تھا ۔ نمونہ ہے :-

بجز حالیکہ مجنون داشت در دل + بیابان مجنون ما بنداز + نمی گویم که چه شد از دل نزدیکی + چشم بودور که بسیار دل نزدیکی

سید حسین امتیاز خان **خالص** — اصفہان سے ہندوستان آیا۔ اعظم آباد پٹنہ کا دیوان مقرر ہوا۔ امتیاز خان لقب پایا۔ علوم کا مجموعہ

رسید فصل بہار و روز فاقہ کشی گذشت + سپند آتش ما سوختیم و وقت عمل کشی گذشت + شنیدہ ای لطف جواب نامہ گر ننوشت لاف دوست + ساز و با خانہ ما یاد نمی کرد

ساقی بیا کہ فصل خزان زود میرسد + ای صبح نو بہم برسی کہ سفر میکنند بہار + لطف حق را گرد بر ظلمت عصیان غضب + آب دریا را شب تاریک آتش میکند

محمد یار خان **یکتا** — ٹھٹھہ کا صوبیدار تھا۔ تحصیل علوم و فنون حاصل کی۔ خوش نویس اور حافظ شاعر تھا۔ لاہور کا ایک شاعر

محمد عاقل بھی یکتا تخلص کرتا تھا۔ وہ محمد یار خان کو اس تخلص سے اسکے حق میں دستبردار ہونے پر مصر تھا۔ مگر اس نے انکے طرحی غزل لکھنے کی

شرط لگائی کہ جس کی غزل پسندیدہ ہو وہی یکتا تخلص کا حقدار ہوگا۔ چنانچہ اس میں محمد یار خان ہی جیت گیا۔ اور اہل سخن نے اس شعر پر داد دی

برای سخن گو ایسم آفرین ما + کہ محمد یار خان یکتاست یکتا + طرحی غزل یہ تھی:—

تا خفتش طرح جہانگیری کا دستی ریخت + لشکر آنگہ چو ادو می لیرا دستی ریخت + با میدیکہ شود ... گران سر و روان + خاک شد چہرہ در راہ قد موزونی ریخت —

سرمہ آلود نگاہی کہ بیادم آمد + کہ سرشک شفق از حرہ لم طوسی ریخت + بر در میکدہ از نالہ رائم ناقوس + ہم تن اشک شد و در بر ناقوسی ریخت

شمع از رشک رخش بو قلمون سوخت بزم + جای اشکش بنم خاکستر طاؤسی ریخت ‖ مرزا فخر الدین محمد **فطرت** تخلص موسوی خان خطاب

نسبا امام ضامن ثامن موسیٰ علی رضا کی اولاد میں تھا۔ اور میر محمد زمان مشہدی کا نواسہ۔ شباب میں اپنے باپ میرزا

فخر الدین سے خفا ہو کر اصفہان چلا آیا۔ جہاں آقا حسین خوانساری سے علوم و فنون کی تحصیل کی۔ بہت ذہین و فہیم تھا۔ اور علوم

عقلیہ میں بڑا درک حاصل کیا۔ ۱۰۸۲ھ میں ہندوستان آیا۔ اورنگزیب نے ذاتی جوہر اور نسبی شرف دیکھ کر لطف و کرم سے مالا مال کیا۔ اور

شاہنواز خان کی لڑکی یعنی شہزادہ محمد اعظم کی خالہ سے اسکی شادی کرائی۔ اور عظیم آباد کا دیوان مقرر ہوا۔ مگر ناظم سے اتفاق نہ تھا۔ اسلئے

جلد ہی بلا لیا گیا۔ ۱۰۹۹ھ میں موسوی خان کا خطاب ملا۔ اور دیوان تن اور پھر تمام دکن کا دیوان مقرر ہوا۔ ۱۱۰۱ھ میں وفات پائی۔

بڑا خوددار اور نازک مزاج تھا۔ عالمگیر سے ایک دفعہ اسکی رنجش ہوئی۔ مگر وہ بھی بے نیاز رہا۔ لوگوں نے سمجھایا تو یہ قطعہ لکھا جس میں یہ اشعار تھے:

در طلب ما بی زبانان اشتہ پروانہ ایم + سوختن از عرض مطلب پیش ما آسان تر است + شد از غرور غلامی زبان عرض خموش + چرا براہ خطا این چنین ابا ابداز حرص

از موج خیز بحر کرم را قرار نیست + اہل سوال میدہ ابرام میکند + اورنگزیب نے جواب میں لکھا: "بی زبانی میکشاید بندہای سخت را +

در قفس طوطی ز منقار سخنگوئی خداست" + لیکن: "ہیچ مرد در پی اصلاح خوئی خویش نیست * ہر کرا دیدیم در آرایش روئی خود است"

اسکا اصلی جوہر شاعری ہی میں کھلتا ہے۔ پہلے فطرت تخلص کرتا تھا۔ بعد موسوی سے بدل دیا۔ کلمات الشعراء کا مولف محمد افضل سرخوش اسکا شاگرد اور ہم جلیس تھا۔ نمونہ:۔ شدم خاک و ہنوز از عشق او آتش بجان دارم + در آغوش کفن جسمے چو تیر امتحان دارم + ما طائر عشقیم قفس بال و پر ماست + چمن بوئی گل جیده وطن ہمسفر ماست + چو سوز عشق را کامل کنی عیبت ہنر گردد + شود یاقوت ہر سنگے کہ ابریز شرر گردد نداد آن غنچہ از مہر چراغ من + برنگ لالہ در آغوش باشد خفتہ داغ من + آتشم در تہ پا جود و ہیچ سپند + کام اول قدمم سوخت ازین راہ مپرس مرد حق در عین دنیاداری از دنیا بری است + ملک در دست سلیمان نیست در انگشتری است + این ہستی مرا از بادہ کہ بیرنگی است + شیشہ با موج شکستن میزند بال پری است عشق در عصر جنون کار خدائی میزند + حسن گر دیده شود در کسوت پیغمبری است +

شاہ عالم۔ بہادر شاہ:۔

اورنگ زیب کی اولاد سب کی سب عالم و فاضل تھی۔ علم و فضل سے مالا مال تھے۔ شاہ عالم ایک جید عالم تھا۔ کلام اللہ، شرع، حدیث و تفسیر و فقہ و تصوف سے پورا واقف تھا۔ اور کبھی شعر بھی کہتا تھا۔ چنانچہ یہ رباعی اسکی طرف منسوب ہے:۔

اعلی شر از آنی کہ علی خوانندت   والا تر از آنی کہ ولی خوانندت

بر ہستی خود گواہ خواست خدا   بے مثل بیافرید بے مانندت

در باری شعرا:۔

واضح - میرزا مبارک اللہ نام ارادت خان خطاب، شاہجہانی خان اعظم کا پسر اور کا تھا۔ مختلف فوجداریاں اور قلعہ داریاں اور مناصب پائے۔ علم و فضل میں ممتاز تھا۔ مذاق میں تصوف بھی تھا اور نازک خیال شاعر۔ نمونہ:۔ وسعت فضای دلم نیست بجز عیش حباب + یاد یک پیرہن ہستی آن ہم گوشہ نیست + عاشق از دیر آ و بے او نمیشود + آئینہ رونما شود و او نمیشود زہر آب خنجر دوست شمع زندگانی را + بجز آب دم شمشیر صندل سرگرانی را + چہ لطف است ابر لعبت تو بیقراران را + بلے دیدہ لیسند است سوگواران را در جہ وحشت کند محروم از ساحل مرا + در طپید رفت از کف دامن قاتل مرا + گلہ صاف بہ از عفو غبار آلودہ است + بہشت دوزخ گنجے کہ ابواب الجنہ ہمین است بہار رو ف صبا گل لکام گلچین باد + کہ ما بکنج قفس طرح آشیان کردیم +) تاریخ ارادت خان کے نام سے اورنگ زیب کی تاریخ لکھی عالمگیر کی وفات کے بعد لشکر فرخ سیر کے ساتھ

خالص - میرزا سید حسین نام امتیاز خان خطاب، عالمگیر کے زمانہ میں ہندوستان آیا۔ بہادر شاہ کے زمانہ میں میر آخور بادشاہی رہا۔ اور زمانہ میں ایران وطن جا رہا تھا۔ کہ لکھی سندھ یاس قتل کر دیا۔ "آہ آہ امتیاز خان" تاریخ ہے۔ ایک دیوان چھوڑا۔ چند قصائد۔ عرفان و دھی ۔۔۔ ۱۱۲۲

حمید - میرزا محمد رضا نام، قزلباش خان خطاب ۔۔۔ قزلباش خان خطاب پایا۔ اور ہزاری منصب ۔۔۔ محمد امین ۔۔۔ ہمچی پایای مہید تا نالا تیم ۔۔۔ امراء و منصب ۔۔۔ ہزاری ۔۔۔ صاحب دیوان ہے

کتاب اثبات... مگر... (margin note, partly illegible)

روشن شده به پیش تو چون شمع سوز من — یک شب اگر تو شمع شبستانی برو بر من

خوشا وقتی که بالیده از جانان میرود دوشم — برنگ ماه نو هر شام بر میگشت آغوشم

گشت رو گردان ز لیس آبادی از ویرانه ام — چون کمان حلقه بیرون شد دو دون خانه ام

خدا نا کرده اندوهت چرا از دوستان باشد — شنیدم کلفتی داری نصیب دشمنان باشد

فرخ سیر: حافظ کلام اللہ تھا ۔ عالم و شاعر تھا ۔ اور اسکے احراً بھی شاعر نواز و علم دوست تھے ۔ بنگال فکومت کی ... پھر چند کمائی

آصف: فرخ سیری امرا میں سے پہلے امیر نظام الملک آصفجاہ تھا ۔ معقولات و منقولات کا عالم یگانہ شاعر اور عروض ... تھا

نمونہ:

بیاد یار شب ای دل عنان خواب بگیر — دمد چو صبح ببر نور آفتاب بگیر

تو تشنگی نکشی گرم سعی اگر گردی — ز چشمہ سار عرق بہر خویش آب بگیر

میان برکت پابی ای دل از حرکت — بہر یار تو دامان اضطراب بگیر

(margin) دهست دلدار ما ... در دل ... همه ... (illegible)

آصفجاہ کے دربارہ متوسلین مآثر الکرام کے مؤلف مولانا علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے جد سید عبد الجلیل واسطی بلگرامی بھی تھے ! ایک بار

بھرے میں فرخ سیر کی موجودگی میں ژالہ باری ہوئی ۔ ژالے کچھ میٹھے تھے سید عبد الجلیل نے یہ رباعی لکھکر فرخ سیر کو پیش کی ۔ ایام بابا

فرخ سیر ان شہنشہ با برکات + خرم از او دل ز ژالہ شیرین حرکات ـــ در عہد زمین عہد عشرت بنگرش + بارید سماء ریزہ قند و نبات

نظام الملک کی مدح کے قصیدہ کے چند اشعار میں ۔ جو سید عبد الجلیل صاحب نے لکھا تھا : ۔ نظام ملت و ملک آصفی را ایل کرم ۔ قوام دین و دول آنکہ بجود کلہ

مثال روح مصور بود بپا کی ذات + لسان عقل مجسم بود بفہم و ذکا + کرم ز دست گہربار او بود ممنون + ظفر بہ تیغ جہان کار او بود شیدا

میرزا ابو عبد المعالی عالی مقام وزارت خان تھا ۔ الکا نمونہ : ۔ تا قافلہ سالار جنون پا ل سفر زد + دیوانہ ما دامن صحرا بکمر زد :۔

ـ اسکے زمانہ میں فارسی کی جگہ ریختہ گوئی نے لی ـــ اور اسنے بھی اسی زبان میں طبع آزمائی شروع کردی ۔

شیخ حسین شیرازی عرف نو علی الاصل تھا ۔ عالمگیری عہد میں ہندوستان آیا سنہ ۱۱۹۲ میں وفات پائی ۔ نمونہ : ۔

نہ من شہرت تمنا دارم و نے نام میخواہم + ہمہ گرد آگہ ... بے نفس آرام میخواہم + نالہ پیدا شد کہ در سینہ ما جا آتش ... + وقت دیگر گشت سرا سیمہ دنیا ...

ہمہ تاج بر سر ... ما = تاج عشقیم تخلص میرسیم از شہید دل ۔

... غزلوارم ما = ندیدم غزالے دو سہ مشغول زیارت + افتادہ چو برتربت مجنون نظر ما ۔

(margin) ... حسین جمن ... وجدان ...

داغم ز ناتوانی و افسوس زندگیست
دندان نماند در دهن و لب گزیدنیست

ماثر شعرا   تذکرة الشعرا

۱۳۱۲   ۱۲۲۲

"اذهان الاشراف"

۱۳۲۰